نوجوانوں کا بیباک ترجمان

ماہنامہ

حیات نو

تحریک اسلامی ہند کی

انقلابی شخصیات نمبر

جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ
یوپی ۲۷۶۱۲۱

نقوشِ حیات

دھڑکنیں	نئی نسل کے نام	ادارہ	۴
محسنِ انسانیت نے فرمایا	محبوب بندے کی پہچان	عبید اللہ فہد فلاحی	۵
مولانا اختر احسن اصلاحیؒ	نقوش و تاثرات	مولانا جلیل احسن ندوی	۹
	صالح اٹھان	مولانا ابوالسلام فلاحی	۲۵
	ان کی ہر ادائے مومن کا کردار نمایاں تھا	اسرار احمد خاں	۳۰
	قرآن فہمی اور تحریک سے گہری وابستگی	مولانا عنایت اللہ سبحانی	۳۸
مولانا انیس الدین احمدؒ	مولانا اپنے گھر میں	سلیم الدین احمد	۵۲
	مولانا انیس الدین احمدؒ	اقبال حمید	۵۸
	ایک مردِ بزرگ	ڈاکٹر عبد المغنی	۶۳
	ایک مردِ خوش خصال و منتظم	حاذق ضیاوی اثری	۷۰
مولانا عبد الرزاق لطیفیؒ	چمن سے بیٹھے ہیں عاشق تمنا کہیں	محمد حسنین سید	۸۰
	جس نے تحریک کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیا	مولانا انعام الرحمن خاں	۱۰۷
	یہ فیصلے بیٹھے بیٹھے ہی اتنوں میں	انتظار نعیم	۱۱۱
	جس کی اداؤں سے فانی سرِ تسلیم و دل	عبدالحی فلاحی	۱۲۰

مردِ مجاہد یوسف صدیقیؒ	شہیدِ بالاکوٹ کا وارث	ابن عبادت فلاحی	۹۶
	میں دوبارہ یتیم ہو گیا ہوں	سید صادق سعید وصفی	۱۰۳
	صبر و عزیمت کا کوہِ گراں	امین الحسن رضوی	۹۳
حاجی وی پی محمد علیؒ	تحریکِ اسلامی کا جانباز سپاہی	سید ابوالجلال کیرالہ	۱۳۲
افسانہ	واپسی	اعجاز احمد فاروقی	۱۴۱
بچیاں میں	دو شہزادیوں کو سنگینیں گھونپی گئیں	عبد الباری فلاحی	۱۴۶
محبتوں کے نذرانے	دنیا کے ہی آپ شباب تھے ترے ہیں جو روشن	شفق طاہری	۷
	گلشن شاداب دے گیا	الطاف حسین قریشی	۱۰۶
	وہ جس کے سوزِ نفس سے بجھے چراغ جلے	شہود الحق روشن	۵۱
	ملت کے جوانوں کے نام	عبداللہ شاکر	۱۳۵
	کر چوٹی ہیں ترے زخم کر مری خوبیاں	نعیم صدیقی	۸۵
	تو خدا مست تھا	ماہر القادری	۱۳۳
	غزلیں	راز آبادی، دانش مہدی، شفق طاہری	۱۵۹، ۱۵۴

> میرے نزدیک معاش کیلئے ادب پیدا کرنے سے بہتر ہے کہ انسان اینٹیں ڈھولے۔ (امام مودودیؒ)

نئی نسل کے نام

ادارہ حیاتِ نو کی یہ حقیر کوشش نئی نسل کے ان جیالوں کی خدمت میں ایک خوبصورت تحفہ ہے جو تحریک اسلامی، ملتِ اسلامیہ اور نظام اسلامی کے لئے جد و جہد کر رہے اور ہر طرح کی قربانیاں دے رہے ہیں۔ اگر کوئی ایک نوجوان بھی ان تحریکی نمونوں میں سے کسی کو اپنا آئیڈیل منتخب کر لیتا ہے اور زندگی کی راہوں میں ان کی قربانیوں اور ایثار و خدمت کی مثالوں کو مشعلِ راہ بنا لیتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ حقیر کاوش کامیاب ہے۔ خدا کرے اس مجموعہ سے مطلوبہ نتائج نکل سکیں۔

ہندوستان میں تحریکی شخصیتوں کو اجاگر کرنے کی سمت یہ ابتدائی اقدام ہے مجھے امید ہے کہ تحریک و ملت کے بزرگ، کرم فرما اور بہی خواہ اور امت کے شاہین صفت قلندر مفید مشوروں سے نوازیں گے ہر طرح کا تعاون دیں گے اور اس سمت اقدام بھی کریں گے۔

عبید اللہ فہد
علی گڑھ

محسنِ انسانیت ﷺ نے فرمایا

عبید اللہ فہد، علی گڑھ

محبوب بندے کی پہچان

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

"اللہ عز و جل نے جس طرح تم انسانوں میں رزق تقسیم فرمائی ہے اسی طرح اخلاق بھی تقسیم فرما دیے ہیں اور اللہ دنیا تو سب کو دیتا ہے، ان لوگوں کو بھی جنہیں وہ پسند نہیں کرتا۔ لیکن دین پر چلنے کی توفیق صرف ان کو دیتا ہے جن سے اسے محبت ہوتی ہے، تو جن کو اس نے دین بخشا یوں سمجھو وہ اللہ کے محبوب ہیں۔" (مسند احمد)

یعنی اللہ کے محبوب اور مغضوب بندوں کی پہچان دولتمندی، عیش و عشرت اور طرب و لذت کے سامان کی فراوانی اور فقر و فاقہ اور تنگدستی و مفلسی نہیں ہے۔ اگر اس دین میں کوئی صاحب شان و شوکت اور مالک کروفر ہے۔ اس کے پاس قارون کے خزانے اور سیم و زر کے انبار ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کا محبوب بندہ بھی ہے اور اسی محبوبیت کی وجہ سے اللہ نے یہ ساری نعمتیں دے رکھی ہیں اس لئے کہ کفر و الحاد کے علمبرداروں اور دین و ملت کے دشمنوں کو بھی یہ چیزیں ملی ہوئی ہیں۔ اس طرح اگر کوئی صاحب ایمان فقر و فاقہ اور بدحالی کا شکار ہے تو اس کا یہ مطلب نکالنا غلط ہے کہ وہ اللہ کا پیارا نہیں ہے اور اس کے غضب کا وہ شکار ہو رہا ہے بلکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا پیارا بندہ وہی ہے جسے دینِ حق پر چلنے کی توفیق اور اقامتِ دین کی سعادت میسر آ جائے چاہے اس کے گھر میں فاقے ہو رہے ہوں اور پیروں میں ٹوٹی ہوئی چپلیں اور تن پر پھٹے ہوئے کپڑے ہوں۔ اسی طرح اگر کوئی مالدار دینِ حق سے محروم ہے تو وہ خدا کا محبوب اور پیارا بندہ نہیں ہے۔

مومن کے پاس بیٹھو۔ ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبیؐ کو ارشاد فرماتے سنا ہے:

"تم کسی مومن ہی کو اپنا ساتھی بناؤ اور متقی آدمی کے سوا کسی اور کو دعوتِ طعام نہ دو۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ کسی نے حضورؐ سے پوچھا ہم نشین کیسے ہوں

کن لوگوں کی صحبت میں بیٹھیں:

آپؐ نے فرمایا:

مَنْ ذَكَّرَكُمُ اللّٰهَ رُؤْيَتُهٗ وَزَادَ فِيْ عِلْمِكُمْ مَنْطِقُهٗ وَذَكَّرَكُمْ بِالْاٰخِرَةِ عَمَلُهٗ (ترغیب)

یعنی ان لوگوں کی صحبت میں بیٹھو جن کو دیکھ کر خدا یاد آجائے، جن کی گفتگو سے تمہاری دینی معلومات

میں اضافہ ہو اور جن کا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلائے۔

جو وفات پاچکے ہیں ان کی پیروی کرو:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا ہے

جو شخص پیروی کرنا چاہے تو ان لوگوں کی پیروی کرے جو وفات پاچکے ہیں، اس لئے کہ

آدمی جب تک زندہ رہتا ہے اس وقت تک اس کے فتنہ میں پڑنے اور دین حق سے ہٹ جانے کا خطرہ

رہتا ہے۔

وہ لوگ جن کی پیروی کرنی ہے اصحاب محمدؐ ہیں یہ لوگ اس امت کے افضل ترین افراد

تھے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری تھی وہ دین کا گہرا علم رکھتے تھے اور

تکلف سے دور تھے ان لوگوں کو اللہ نے نبیؐ کا ساتھ دینے کے لئے اور اپنے دین کو قائم کرنے

کے لئے منتخب فرمایا تھا، پس اے مسلمانو! تم ان کا مقام پہچانو، ان کے پیچھے چلو اور

ان کے اخلاق و سیرت کو اپنے امکان بھر مضبوطی سے پکڑو اس لئے کہ یہ لوگ صراط مستقیم

پر تھے، خدا کی بتائی ہوئی سیدھی راہ پر تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

دنیا کے عجائب میں تو شہکار ہے مومن

حق ناز کرے جس پہ وہ کردار ہے مومن
تنہائی میں زاہد شب تنہائی میں عابد
دل اس کا ہے انوار الٰہی کا خزینہ
فردوس میں شاید کوئی تمثیل ہو اس کی
تھک جائے جہاں دن بھی وہاں گرم سفر ہے
جس بار امانت سے جبل کانپ اٹھے تھے
سیلاب بلا کے لئے چٹان کی مانند
مظلوم کا ہمدرد ہے ظالم کا عناں گیر
ہر آن اسے رحم تمنا کوئی درکار
طاغوت کے لشکر کے لئے موت کی یلغار

قرآن کا بس آئینہ بردار ہے مومن
جنگاہ میں اللہ کی تلوار ہے مومن
نادان سمجھتے ہیں کہ نادار ہے مومن
دنیا کے عجائب میں تو شہکار ہے مومن
سو جائے جہاں رات بھی بیدار ہے مومن
اس بار امانت سے سبکسار ہے مومن
یلغار جفا کے لئے دیوار ہے مومن
حق یہ ہے کہ دونوں کا مددگار ہے مومن
ہر لحظہ کسی غم کا طلبگار ہے مومن
باطل کی صفوں کے لئے دیوار ہے مومن

دنیا میں بھی اللہ کی قدرت کا نمونہ
عقبیٰ میں بھی میزان ہے معیار ہے مومن

شفق طاہری

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے
فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں
خبر نہیں روشِ بندہ پروری کیا ہے
فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

منجانب

عزیز الرحمن خان بدرقہ شہر اعظم گڑھ یوپی

مولانا جلیل احسن صاحب ندوی
شیخ التفسیر [illegible]

مولانا اختر احسن اصلاحیؒ

نقوش و تاثرات

تمنا تھی شدید تمنا کہ جب اللہ مجھے استفادہ کے لائق بنائےگا تو استاذ امام مولانا فراہیؒ سے قرآن مجید میں استفادہ کی سعادت حاصل کروں گا لیکن "کافیہ" کے درس میں بجنور سے شائع ہونے والا سہ روزہ "مدینہ" استاذ کے پاس پہونچا اس میں مولانا فراہیؒ کی وفات کی خبر پڑھ کر فرمایا تمہارے ضلع کا ایک نامور عالم قرآن چلا گیا" یہ خبر سن کر میرا کیا حال ہوا اس کو اللہ کے سوا کون جان سکتا ہے اس طرح میری زندگی کی پہلی تمنا ناکام ہوئی اور کیا بتاؤں کتنی تمنائیں ہیں جو پوری نہ ہو سکیں۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے زمانہ میں بعض ہم وطن دوست مدرسۃ الاصلاح سے شائع ہونے والا ماہنامہ "الاصلاح" منگاتے تھے میرے اور ساتھی تو اسے پڑھتے اور میں پڑھتا تھا اس میں قرآن سے متعلق متنوع قسم کی غذا ملتی اور بقدر ظرف اور بقدر توفیق اسے ہضم کرتا افسوس کہ ایسا قیمتی پرچہ بند ہو گیا اس رسالہ سے میرے قرآنی ذوق میں اضافہ ہوا۔

اب کیا ہونا چاہیے۔ مولانا فراہیؒ تو رہے نہیں کہ ان سے پڑھتا خیال ہوا کہ ان کے تلامذہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ میری خوش قسمتی کہ مدرسۃ الاصلاح میں تدریس بھی آگئی اور مولانا اختر احسن صاحب کی معیت اور صحبت میسر آگئی۔ اس مدت میں ان سے طویل قرآنی مذاکرات رہے جنہیں بلا زیادہ صحیح الفاظ میں ان سے استفادہ کرتا رہا اس مدت کے چند نقوش ذہن پر مرتسم ہوئے اور تاثرات جو قائم ہوئے پیش خدمت ہیں [illegible] ایڈیٹر ذکری محمد یوسف اصلاحی کا شکر گذار ہوں کہ انہی کے اصرار پر ان تاثرات کو کاغذ پر منتقل کرنے کا موقع ملا۔

(۱) مولانا اختر احسن صاحب ایک خاموش، گمنامی پسند اور راضی برضا انسان تھے [illegible] آدمی [illegible] مگر میں نے انہیں [illegible] نہیں پایا [illegible]
[illegible] شکوہ [illegible] نہیں کرتے تھے بلکہ دوسروں کو شکوہ کرتے سنتے تو

تو روک کر شکر کو ابھارنے والا انداز اختیار کرتے۔ ایسا میرے ساتھ بھی ہوا ہے اور کئی دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی۔

ان کا معمول یہ تھا کہ آخر شب میں اٹھتے، خدا کے حضور کھڑے ہوتے، نماز سے فارغ ہو کر قرآن مجید کی کچھ دیر تلاوت کرتے پھر قرآن مجید خاموشی کے ساتھ پڑھتے، غور و فکر کرتے۔ وہ اگرچہ حافظ نہ تھے لیکن کثرتِ تلاوت کی وجہ سے تراویح میں لقمہ دیتے اور صحیح لقمہ دیتے، اور تلاوت ہی کی برکت تھی کہ آیتوں کے نظائر ان کو خوب مستحضر تھے۔ میں نے قابل اساتذہ سے پڑھا ہے اور مدارس کے قابل اساتذہ کو جانتا ہوں لیکن ان سے زیادہ قرآن مجید پر گہری نظر رکھنے والا اور جاہلی شعراء اور جاہلی خطباء کے کلام کو گہرائی کے ساتھ سمجھنے والا نہیں پایا۔ وہ عربی کے زبردست خطیب تھے نہ انشاء پرداز لیکن کلام کے تیور کو خوب پہچانتے تھے۔

وہ کوئی ذمہ داری لینے سے گھبراتے تھے۔ لیکن جب ذمہ داری لے لیتے تو اس کام کے تمام اطراف و جوانب پر گہری نظر رکھتے، کڑی نگرانی کرتے اور حسب موقع نرم و گرم محاسبہ کرتے۔ وہ مسئولیت کے لئے بہت زیادہ حساس واقع ہوئے تھے۔ اور سے پہ جماعت اسلامی کے ضلعی اجتماعات ہوتے تو باہر سے آنے والے وابستگان جماعت مختلف بدنظمیوں کے شاکی ہوتے، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ اجتماع کے نظم کا ذمہ دار انھیں بن جانا پڑا، پھر کیا تھا فکرمند ہوئے، نظم کیا، باہر سے آنے والے حسرت و استعجاب سے مجھ سے پوچھا "اس بار بڑی باقاعدگی نظر آئی"، میں نے انہیں اس کا سبب بتایا۔ اجتماع ختم ہونے اور شرکاء کے رخصت ہو جانے کے بعد کارکردگی کا جائزہ لینے کیلئے ایک نشست ہوئی، ذمہ دار احباب کے جائزے سے صرف یہ بات سامنے آئی کہ چائے کی چند پیالیاں بدل گئی تھیں۔ اس پر متعلقہ صاحب سے کہا "چائے کی پیالیوں میں جب ہم اقامت نہیں کر سکے تو دین کی اقامت کیسے کر سکیں گے"۔ یہ ایک مثال کافی ہے ان کی مسئولیت کی شدتِ احساس کا اندازہ کرنے کے لئے۔ ورنہ مثالیں تو بہت ہیں متنوع قسم کی، صرف ایک مثال اور سن لیجیے۔

میرا اپنا مشاہدہ اور تجربہ ہے، سنی سنائی بات نہیں ہے۔ مولانا اختر احسن صاحب

کی صدارتی ذمہ داری سے پہلے دور کے اواخر میں طلبہ کا عمومی ماحول تعلیم سے زیادہ کھیل کود کا تھا، درسی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے بہت کم تھے اور دوسری مشغولیات بہت زیادہ تھیں؛ اسی طرح نمازِ باجماعت کا اہتمام بھی کم تھا لیکن مولانا اختر احسن صاحب نے جب ذمہ داری سنبھالی تو ان دونوں پہلوؤں سے ماحول کا رخ بدلنے کی کوشش کی اور جب میں مدرسہ ہو کر آیا ہوں تو یہ دیکھا کہ طلبہ کا عمومی مزاج تدریسی اور مطالعاتی ہے اور نماز باجماعت کا اہتمام پہلے سے بہت زیادہ ہو گیا ہے، اس کی وجہ مولانا کی مسئولیت کے شدید احساس کے سوا کچھ نہیں۔ طلبہ کو، بالخصوص تفریح پسند طلبہ کو تنہائی میں بلاتے اور مختلف ڈھنگوں سے مطالعہ کی طرف متوجہ کرتے۔ ترغیب و تشویق کے ساتھ مطالعہ کا فائدہ بتاتے کہ مطالعہ کرنے سے طالب علم کی قوت مطالعہ اور استخراج معانی و مفاہیم کی صلاحیت بڑھتی ہے۔ یہ قوت اللہ تعالیٰ نے ہر طالب علم کو ودیعت فرمائی ہے، اسے بڑھانا اور ترقی دینا اسکا اپنا کام ہے، انہیں بتاتے کہ دوسرے مدارس کے فارغ طلبہ نے جو کتابیں پڑھی ہیں اور محنت سے پڑھی ہیں انکو تو وہ پڑھا سکتے ہیں لیکن اگر انہیں کوئی ایسی کتاب پڑھانے کیلئے دے دی جائے جو انہوں نے پڑھی نہیں ہے تو ان کا سانس پھولنے لگتا ہے۔ اتنی پریشانی میں پڑ جاتے ہیں گویا انکو کسی بلندی پر چڑھنا پڑ رہا ہے اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان مدارس میں طلبہ سے نہ لغات حل کرائے جاتے ہیں اور نہ نحوی و صرفی مشکلات حل کرنے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ استاذ آیا، طالب علم نے عبارت پڑھی اور استاذ نے تقریر شروع کر دی، اسطرح ان کی قوت استخراج ٹھٹھرتی رہتی ہے اور بالآخر ختم ہو جاتی ہے یا سکڑ کر رہ جاتی ہے۔ وہ طلبہ سے کہتے تھے "تمہیں اپنی روٹی اپنے ہاتھ سے پکانی ہے۔ آگ تم جلاؤ۔ آٹا تم گوندھو اور روٹی تم پکاؤ۔ اپنی پکائی ہوئی روٹی کتنی لذیذ معلوم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری روٹی کچھ دنوں تک ٹیڑھی میڑھی نکلے اور ممکن ہے جگہ جگہ جل بھی گئی ہو، لیکن اپنی روٹی بہر حال اپنی روٹی ہے، وہ تمہاری محنت کا ثمرہ ہے۔ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ یہ روٹی مطلوبہ سائز پر سیدھی نکلے گی اور جلنے سے بھی محفوظ ہو جائے گی۔ تب جب تم اسے کھاؤ گے تو اسکو بہت

لذیذ پاؤ گے" اسی طرح لغت تمہیں حل کرنا ہوگا، صرفی و نحوی مشکلات پر
تمہیں قابو پانے کی کوشش کرنی ہوگی، جب کچھ دنوں الجھنوں سے بھرا ہوا یہ
کام کر ڈالو گے اور استاذ بتائے گا کہ تم نے جو مفہوم سمجھا ہے وہ ٹھیک ہے تو
تمہیں اتنی مسرت ہوگی گویا بہت بڑی دولت تم نے پالی، اور بغیر پڑھی ہوئی
کتاب جب تمہیں پڑھانے کے لئے دے دی جائے گی، تو ہمت نہ ہاروگے غرض
اس بات کو وہ مختلف ڈھنگوں سے طلبہ کے ذہن میں بٹھاتے۔ اسی طرح
نماز باجماعت پر ابھارتے۔ ان کی نظر بہت تیز تھی۔ ہر ایک [illegible] نظر جان لیتے کہ
کون لوگ نہیں آئے ہیں، انھیں معلوم رہتا کہ کون لوگ نماز باجماعت کے
پابند ہیں اور کون لوگ غافل اور سست گام، اور بالعموم مغرب کے بعد تمام طلبہ
کو روک کر بالخصوص نماز کی اہمیت پر عمومی انداز میں تقریر کرتے، وہ خطیب نہ
تھے مگر جب اس نشست میں بولتے تو ان کا خطاب بڑا پُر اثر ہوتا، دل سے جو
بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے، یہ دونوں طرح کی خوشگوار تبدیلیاں نتیجہ تھیں
مولانا مرحوم کی شدت احساس ذمہ داری کا۔

مولانا فراہی رحمۃ اللہ نے ایک مختصر نوٹ طریقۂ تدریس پر لکھا ہے جو الاصلاح
میں شائع ہو چکا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تعلیم و تدریس کے دو طریقے ہیں ایک
"اجرائی"، دوسرا "استخراجی"۔ اجرائی کا مفہوم یہ ہے کہ استاذ درجہ میں آتا ہے اور
تقریر کر دیتا ہے۔ طلبہ سنتے اور کچھ ضروری نوٹ لیتے ہیں، استاذ اس سے قطعاً
تعرض نہیں کرتا کہ زیر درس حصہ کا طلبہ نے مطالعہ کیا ہے یا نہیں، یہ طریقہ بہت
آسان ہے۔ طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لئے آسان و [illegible] (تھکن) [illegible] جھنجھلا
ہٹ سے دونوں محفوظ! لیکن یہ طریقہ طلبہ کی قوت مطالعہ کے لئے مہلک ہوتا ہے
قوت مطالعہ ہر طالب علم کو اللہ نے ودیعت فرمائی ہے وہ [illegible] ہو جاتی ہے
خود طلبہ سے متعلقہ عبارت کی صرفی و نحوی مشکلات حل کرائی جاتی ہیں۔ لغات
کی مدد سے الفاظ کے معانی وہ خود نکالیں اور پھر عبارت کا مفہوم بھی خود

متعین کریں۔ اس سے طلبہ کی قوت مطالعہ ابھرتی ہے، ترقی کرتی ہے اور اس کا
فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی نئی کتاب یا عبارت سامنے آجائے تو اس کا مفہوم متعین
کرنے میں آسانی ہوتی ہے یہ طریقہ نہایت صبر آزما، مشکل اور الجھن میں ڈالنے
والا ہے، استاذ کو بھی اگر وہ صابر نہیں ہے جھنجھلاہٹ ہوتی ہے اور طلبہ کو بھی
الجھن ہوتی ہے، لیکن اس کے فوائد نہایت عظیم ہیں۔ اگر طالب علم گھبرا نہ جائے
اور دشوار گزار گھاٹی پر سفر جاری رکھے تو اس کے مطالعے کی قوت بڑھتی ہے
اور مفہوم و معانی کے استخراج میں آسانی ہو جاتی ہے۔ مولانا فراہی نے اسی
طرح پڑھایا تھا۔ اور اسی طریقہ سے ان کے ادب کے استاذ مولانا فیض
الحسن سہارنپوری شارح معلقات و حماسہ نے پڑھایا تھا۔ مولانا اختر احسن
صاحب بھی اسی طریقہ کو پسند کرتے اور برتتے تھے۔ ایک سال میں نے دیکھا، معلوم
نہیں کس مجبوری سے انھوں نے کلیلہ و دمنہ پڑھانا شروع کیا تو کسی دن دو سطریں
ہو جاتیں، کسی دن ایک ہی سطر میں پیریڈ ختم ہو جاتا۔ اور کبھی کبھی تین چار جملے ہو جاتے
میں نے ان سے کہا اس طرح تو کتاب کا زیر درس باب بھی سال بھر میں مشکل ہی سے
ہو پائے گا، انھوں نے جواب دیا کہ اللہ مالک ہے۔ دیکھا جائے گا۔ لیکن ابتدائی تین ماہ
کی "زور آزمائی" کے بعد طلبہ کا دماغ کھل گیا اور اس سال یہ کتاب نصف دوم سے [illegible]
کے زیادہ ہوئی، جو کام طلبہ کے کرنے کا ہے وہ انھیں سے [illegible] نگرانی اور رہنمائی میں
کراتے۔ البتہ عبارت کا مضمون طلبہ کے ذہنی سطح سے بلند ہوتا تو وہاں وہ طلبہ کو
پریشان نہیں کرتے تھے بلکہ مختلف اشارات ایسے [illegible] دیتے کہ
وہ بیچارہ محنتی طالب علم ٹھیک مفہوم بتا کر لاتے تو وہ بہت خوش ہوتے۔
میں رام پور جماعت کی قائم کردہ ثانوی درسگاہ میں معلقہ کا درس دے رہا
تھا، اس وقت وہ آئے اور بیٹھ گئے۔ وہ شوریٰ کے اجتماع میں آئے تھے۔ اس سے فارغ
ہو کر میرے پاس آ گئے تھے۔ میں طلبہ سے خود ہی مفہوم کہلوا رہا تھا لیکن وہ ان کی ذہنی
سطح سے اونچا شعر تھا، مجھے جھنجھلاہٹ ہو رہی تھی اور طلبہ ذہنی الجھن میں مبتلا تھے۔

یہ دیکھ کر انھوں نے قدرے ناگواری کے انداز میں فرمایا "یہ تو ٹھیک ہے کہ طلبہ ہی سے
مفہوم نکلوایا جائے اور وہ لغت حل کر کے لائیں اور نحوی اور صرفی مشکلات پر بھی
توجہ کریں۔ لیکن جو سطح ان کی اپنی ذہنی سطح سے بلند ہو وہاں پریشان کرنا صحیح نہیں
ہے۔ اس کا خیال رکھیے۔"

جس طرح مولانا فراہی سے استفادہ کرنا بہت مشکل تھا اسی طرح مولانا امین
احسن صاحب سے استفادہ کرنا بہت مشکل امر تھا۔ جس شخص کے بارے میں
انکو تجربہ کی بنیاد پر معلوم ہو جاتا کہ اسے قرآن سے کم ہی لگاؤ ہے، وہ اس کا
... نہ وہ پیچھا چھوڑتا ہے نہ وہاں پہنچ پاتا ہے۔ وہ کسی آیت کا مطلب پوچھ
لیجیے ... اور وہ کتاب دیکھ لو۔
آتا تو کبھی نہ بتاتے، ٹال دیتے، کہہ دیتے تھے کہ یہ کتاب ...
بے چارہ شکستہ دل ہو کر چلا جاتا اور دوبارہ ان کے پاس جانے کے لئے
دل آمادہ نہ ہوتا۔ یہی صورت حال میرے ساتھ بھی پیش آئی۔ قصہ یہ ہوا کہ جب
مدرسۃ الاصلاح آیا تو خواہش ظاہر کی کہ مجھے ... کا قرآن
طالب علم کی حیثیت میں ... اور اوپر کا قرآن دے دیا جائے
سورہ حدید تا آخر دے دیا جائے مگر وہ نہ مانے۔ انھوں نے کہا "دیکھا جائیگا"۔ اس
پیش آمدہ مشکلات میں میری مددگار ہوگی۔ ... دل شکستہ ہوا ... اور جب
یہ خیال ہوا کہ پوچھتا تو طول دیتے لیکن میں دل شکستہ ہوا ... کبھی
جب انھوں نے محسوس کر لیا کہ مجھے کسی قدر قرآن مجید سے لگاؤ ہے تو کبھی میں
پاس آ جاتے، میں ان کے پاس پہنچ جاتا اور قرآن مجید پر گفتگو شروع ہو جاتی
اور جب میں جماعت کی قائم کردہ ثانوی درس گاہ رام پور گیا اور وہ شوریٰ کے
میں شرکت کے لئے رام پور تشریف لے جاتے تو فارغ اوقات میں میری قیام گاہ
اور قرآن پر گفتگو ہوتی۔ ایک دفعہ رام پور سے واپسی پر مدرسۃ الاصلاح سے کارڈ آیا
مضمون یہ تھا کہ جانتے ہو تمہارے یہاں کیوں پہنچ جاتا تھا؟ کیا چائے پینے؟ نہیں
قرآن پر گفتگو کھینچ لاتی تھی ... حکایت ... لذیذ بود ... لفظوں کو ... چلو ... ہوا میں

اس کو ایک مثال سے سمجھیے۔ یہاں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ساتھی
جناب مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے سورۂ یوسف کی آیات ۶۹ تا ۷۷ کی جو
تفسیر کی ہے اسے انہی کی فصیح و بلیغ زبان میں پیش کر دیں، اور پیش اس لیے کرنا
چاہتے ہیں کہ ہم نے مولانا اختر احسن صاحب کے سامنے یہی تاویل اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان
میں پیش کی تھی مدعا ایک ہے زبان الگ الگ ہے۔ تدبر کا اقتباس ذرا لمبا ہے
صبر کے ساتھ پڑھیے۔ اس کے بعد مولانا مرحوم کی تفسیر سامنے آئے گی۔ مولانا
اصلاحی آیت ۶۹ کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

"جب یہ لوگ حضرت یوسفؑ کے پاس پہونچے انھوں نے اپنے بھائی
بنیامین کو تنہائی میں اپنے پاس بلا کر ان کو آگاہ کر دیا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں
تو اب تک انھوں نے جو کچھ کیا ہے اس سے دل شکستہ اور آزردہ خاطر نہ ہونا۔
اب یہ دور گذر چکا۔ قرینہ دلیل ہے کہ اس موقع پر حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی کو
اپنی اس تدبیر سے بھی آگاہ کر دیا ہوگا جو وہ ان کو اپنے پاس روکنے کے لئے اختیار
فرمانے والے ہیں تاکہ آگے جو حالات پیش آنے والے ہیں۔ ان میں وہ مطمئن رہیں۔"
(تدبر قرآن جلد سوم۔ صفحہ ۲۴۸)

اس کے بعد مولانا آیت ۷۰ سے لیکر ۷۶ تک کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں
جب ان کا سارا سامان ٹھیک ٹھاک کرا دیا تو پانی پینے کا کٹورا جو غلہ ناپنے کے لئے
شاہی پیمانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا، وہ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی کے
کجاوے میں رکھوا دیا۔ پھر ایک منادی نے پکارا اے قافلے والو تم چور ہو۔ وہ
جب مڑ کر ان کی طرف بڑھے اور پوچھا کہ آپ لوگوں کی کیا چیز کھو گئی ہے؟ انھوں نے
بتایا کہ شاہی پیمانہ کھو گیا ہے تو جو اس کو لائے گا اس کو ایک بار شتر غلہ انعام ملے گا
اور میں اس کا ضامن ہوں۔ انھوں نے قسم کھا کر جواب دیا کہ آپ لوگوں کو اچھی
طرح علم ہے کہ ہم اس ملک میں فساد برپا کرنے نہیں آئے اور ہم چوری کرنے والے
لوگ نہیں ہیں۔ انھوں نے پوچھا کہ اگر تم لوگ جھوٹے ثابت ہوئے تو اس کی کیا

سزا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جس کے سامان میں کٹورا ملے وہی اس کے بدلے میں روک لیا جائے۔ ہم ایسے ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے ان کے سامان کی تلاشی لی اور تلاشی کا آغاز اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں سے کیا اور آخر میں اپنے بھائی کے تھیلے سے پیمانہ کو برآمد کر لیا۔ حضرت یوسفؑ کی اسی تدبیر کی بابت اللہ تعالےٰ کا ارشاد یہ ہے کہ یہ تدبیر حضرت یوسف کے لئے ہم نے کی۔ بادشاہ کے قانون کی رو سے وہ اپنے بھائی کو روکنے کے مجاز نہ تھے الا آنکہ اللہ چاہے۔ فرمایا کہ ہم ہی جس کے چاہیں درجے پر درجے بلند کرتے ہیں اور ہر صاحب علم سے بڑھ کر ایک علم والا ہے۔

مذکورہ بالا آیت کا یہ خلاصہ مطلب ہے جو ہم نے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے اب ہم ایک ترتیب کے ساتھ چند اصولی باتیں عرض کریں گے تاکہ حضرت یوسف کے اس طرز عمل سے متعلق جو شبہات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں وہ صاف ہو جائیں۔

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ ابھی اس مرحلے میں اپنے آپ کو اپنے بھائیوں پر ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ ان کو اچھی طرح ٹٹول کر دیکھنا چاہتے تھے کہ اتنا بڑا ظلم کر گذرنے کے بعد جو انھوں نے ان کے ساتھ کیا ان کے باطن میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے یا ابھی ان کے سوچنے کا انداز وہی ہے جو پہلے تھا۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ اپنے بھائی بنیامین کو پا جانے کے بعد اب کسی قیمت پر یہ خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھے کہ اسی کو ان ظالم لوگوں کے حوالہ کریں۔ انھوں نے خیال فرمایا ہو گا کہ لانے کو تو وہ اس طمع میں اس کو لائے کہ ان کو معلوم تھا کہ اس کے بغیر ان کو غلہ ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ لیکن اب واپسی میں ایسے لوگوں سے کیا بعید ہے کہ اس طرح کا کوئی اقدام اس کے ساتھ بھی کر گذریں جس طرح کا اقدام وہ ان کے ساتھ کر چکے ہیں۔ آخر حسد کا وہ جذبہ جو ان کے پہلے اقدام کا محرک ہوا وہ تو اس بھائی کے معاملے میں بھی موجود ہے۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ ان کو بہر حال ملک کے قانون کا لحاظ رکھنا ہی

مدنظر تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ بادشاہ کی غیر معمولی عقیدت کی وجہ سے حضرت یوسفؑ کو جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے لیکن ان کے شایان شان بات یہی تھی کہ وہ جو قدم بھی اٹھائیں وہ قانون ملک کے مطابق ہو۔ بالخصوص جب کہ وہ قانون مبنی بر عدل بھی ہو۔

۴۔ چوتھی بات یہ کہ ان گوناگوں حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اگر کوئی طریقہ کارگر ہو سکتا تھا تو توریہ کا طریقہ ہی ہو سکتا تھا۔ توریہ اگر کسی باطل مقصد کے لئے ہو جھوٹ کی بھی ملاوٹ ہو تو وہ توریہ بلاشبہ حرام ہے لیکن اگر یہ کسی مقصد حق کے لئے ہو اور اس میں جھوٹ اور فریب کی آمیزش نہ ہو تو اس توریہ میں نہ صرف یہ کہ کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ بسا اوقات اس کا اختیار کرنا بالخصوص دشمن کے مقابلے میں مصلحت حق کی خاطر ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کی بعض نہایت لطیف اور پاکیزہ مثالیں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ملتی ہیں۔ اس قسم کے توریہ میں جو بات کہی یا کی جاتی ہے وہ بجائے خود سچی اور صحیح ہوتی ہے۔ لیکن اس کے کہنے یا کرنے کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ مخاطب اس سے مغالطہ میں پڑ جاتا ہے۔

۵۔ حضرت یوسفؑ نے بھائی کے تھیلے میں پیمانہ رکھ کر یا رکھوا کر ایک منادی کو یہ اعلان جو کرایا کہ اے قافلہ والو تم چور ہو تو منادی نے یہ اعلان حضرت یوسفؑ کے حکم کی تعمیل میں کیا اور حضرت یوسفؑ نے یہ اعلان کراتے ہوئے جو بات پیش نظر رکھی وہ یہ نہیں تھی کہ اہل قافلہ نے شاہی پیمانہ چرایا ہے بلکہ انھوں نے خود اپنے واقعہ کو مدنظر رکھا کہ ان کو سیر و تفریح کے بہانے گھر سے لائے اور ایک کنوئیں میں پھینک دیا۔ شام کو جب گھر واپس ہوئے تو بوڑھے باپ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ منادی کے الفاظ یہ نہیں ہیں کہ اے قافلہ والو! تم نے شاہی پیمانہ چرایا ہے بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ "اے قافلہ والو تم چور ہو" ظاہر ہے یہ بات بجائے خود بالکل صحیح تھی البتہ اس سے اس موقع پر یہ مغالطہ ضرور پیدا ہو سکتا تھا کہ کسی خاص چیز کی چوری کو اس اعلان کی وجہ قرار دے لیں۔

۶۔ اس اعلان کے ساتھ ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف کے ساتھ ہی
[illegible] یہ بات پھیل گئی کہ شاہی پیمانہ گم ہے۔ یہ شاہی پیمانہ چونکہ پہلے پینے کا تھا،
کٹورا تھا اس وجہ سے لازماً قیمتی رہا ہوگا اس وجہ سے اس کا چرایا جانا بعید
از قیاس نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی پہلو سے خود حضرت یوسف نے
اس موقع پر شاہی پیمانے کا ذکر چھیڑا ہو اور ان کے عملے نے از خود یہ رائے
قائم کی ہو کہ قافلہ والوں پر چوری کا الزام ہے وہ شاہی پیالہ بھاگ کی چوری ہے۔

۷۔ جب اہل قافلہ نے مڑ کر حضرت یوسف کے آدمیوں سے پوچھا کہ آپ
لوگوں کی کیا چیز کھو گئی ہے تو انھوں نے اپنے علم کے مطابق یہ جواب دیا کہ
ہمارا شاہی پیمانہ کھو گیا ہے اور ساتھ ہی ان میں سے ایک نے یہ بھی کہا کہ
جو شخص پیمانہ لائے گا اس کو ایک شتر غلہ انعام ملیگا اور میں اس کا ضامن بنتا
ہوں۔ یہ آخری بات ظاہر ہے کہ حضرت یوسف کے ایما پر کہی گئی ہوگی اور اغلب
ہے یہ بات اسی آدمی نے کہی ہو جس نے یہ منادی کی تھی کہ اے قافلہ والو!
تم چور ہو۔

۸۔ قافلہ والوں نے پہلے تو قسم کھا کر اپنی صفائی پیش کی کہ ہم اس ملک
فساد برپا کرنے نہیں آئے تھے اور نہ ہم چوری کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر جب
ان سے یہ سوال ہوا کہ اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو چور کی کیا سزا؟ انھوں نے
تھوڑے سے تردد کے ساتھ جواب دیا کہ جس کے کجاوے سے چیز نکلے وہی
اس کے بدلے میں پکڑا جائے۔ ہم ایسے ظالموں کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں۔

۹۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے خود تلاشی لی اور تلاشی کا آغاز بنیامین
کے بجائے دوسروں سے کیا تاکہ ان کو کوئی شبہ نہ ہو اور آخر میں بنیامین
کے تھیلے سے شاہی پیمانہ برآمد کر لیا۔ اس طرح گویا اپنے بھائی کو روک لینے
کے وہ ملک کے قانون کی رو سے بھی مجاز ہو گئے
کے اقرار کی رو سے بھی۔

۱۰۔ اس تدبیر کو اللہ تعالیٰ نے (کَیْد) سے تعبیر کیا اور اس (کید)
کو خود اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ کید، مخفی تدبیر کو کہتے ہیں۔ یہ مخفی تدبیر
اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو سجھائی جس کی بدولت وہ اس قابل ہوئے کہ اپنے
بھائی کو بھی خطرے سے بچا سکیں اور ملک کے قانون کا احترام بھی باقی
رہے۔ (تدبر قرآن جلد ۴ صفحہ ۲۸۸ تا ۲۹۰)

مندرجہ بالا اقتباس بغور پڑھیے اور خط کشیدہ عبارتوں کو ذہن میں رکھیے
میں ان آیات کا مطلب باوجود کوشش سمجھ نہیں سکا تھا اور قدیم علماء تفسیر نے
ان کی جو تفسیر کی ہے اس پر کسی طرح دل مطمئن نہیں رہا تھا۔ اس لئے مولانا مرحوم کے
سامنے اپنی الجھن رکھی۔ اور رکھی اس طرح گویا یہ میری پسندیدہ "تاویل" ہے۔ ایسے موقع
پر وہ چپ نہ رہ سکے۔ انھوں نے میری زوردار تقریر کے جواب میں چند سوالات اٹھائے
اور ان پر غور کر کے دوبارہ گفتگو کرنے کے لئے کہا۔ وہ سوالات یہ ہیں (۱) یہ آپ کو کیسے
معلوم ہوا کہ حضرت یوسف نے "اپنی تدبیر" سے بنیامین کو آگاہ کر دیا تھا؟ آیت ۶۹ میں تو یہ
ہے کہ انھوں نے اپنا تعارف کرایا اور بھائی سے داستان جور و ستم سننے کے بعد اسے
تسلی دی کہ غمگین نہ ہو سوتیلے بھائیوں کے نازیبا سلوک سے۔ اس میں یہ بات
کہاں ہے کہ یوسف نے کوئی اسکیم تیار کی اور بنیامین کو باخبر کیا تھا؟ (۲) آپ نے
کیسے جانا کہ کٹورا یا گلاس حضرت یوسف نے اپنے بھائی کے تھیلے میں کسی "اسکیم" کے
تحت رکھا تھا؟ سوتیلے بھائیوں کو اپنی قیام گاہ کے دوسرے کمروں میں ٹھہرایا
اس لئے کہ وہ بہرحال بھائی تھے اور سگے بھائی کو اپنے کمرے میں رکھا اس لئے کہ سگے بھائی
کا حق زیادہ ہے۔ نیز یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ میرے بعد انھوں نے میرے بھائی کے
ساتھ کیا سلوک کیا۔ اور روانگی کے وقت سب بھائیوں کے لئے کھانا، پانی کا نظم کیا،
اپنے بھائی کے لئے بھی کھانا پانی رکھوایا اور اپنا گلاس بھی رکھوا دیا اس سے اسکیم اور
فن کو پھنسانے کی بات کہاں سے نکلتی ہے؟ قرآن سے "لگائی بجھائی" تو معلوم نہیں ہوتی!
(۳) یہ کیسے معلوم ہوا کہ اعلان کرنے والوں کو خوب سمجھا بجھا کر حضرت یوسفؑ نے

بھیجا تھا؟ (۴) حضرت یوسف نے تو "سِقایہ" رکھوایا تھا اور کھویا گیا ہے "صُواع"۔
سقایہ کے معنی ہیں پینے کا برتن یعنی گلاس، کٹورا۔ اور صُواع کے معنی ناپنے کا پیمانہ
صُواع اور صاع ایک ہی ہیں۔ "سیئی" جس کا رواج اب بھی بعض علاقوں میں ہے
غالباً اسی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ تحقیق کرو کہ سقایہ اور صواع دونوں ہم معنیٰ ہیں؟
پورا براعظم افریقہ اور پورا مشرق اوسط قحط کی گرفت میں ہے، کہیں غلہ نہیں ہے،
صرف مصر حضرت یوسف کے حسنِ تدبیر کی بدولت اس پوزیشن میں ہے کہ دوسرے وسیع
علاقے کے انسانوں کی جان بچا سکے، قافلے پر قافلے آ رہے ہیں، اُن کے لئے غلہ گلاس
سے ناپا جائے گا؟ کیا مصری حکومت کے پاس کوئی سرکاری "پیمانہ" نہ تھی؟ اہلِ لغت کیا
کہتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ ہم معنیٰ ہیں؟ (۵) یہ کیسے معلوم ہوا کہ تھیلیوں کی تلاشی حضرت
یوسف نے لی؟ مؤذن کا فاعل کارندوں کا چودھری جسے قرآن نے (مُؤَذِّن) کہا ہے وہ کیوں
نہیں ہو سکتا؟ (۶) دیکھو کھویا گیا ہے (نُ) اور نکالا گیا خرجی سے نکلا (ھا) (۷) یہ کیسے
معلوم ہوا کہ صواع مذکر و مؤنث دونوں ہے؟ کوئی دلیل؟ کوئی شعر؟ (۸) اللہ تو کہتا
ہے کہ بنیامین کو روکنے کی تدبیر ہم نے کی" اور آپ یوسف پیغمبر کو "سکھاتے" ہیں۔ لفظوں
کو پکڑ کر چلنا چاہئے، ہوا میں نہ اڑنا چاہئے نیز یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ بات کون کہہ رہا
ہے، متکلم کون ہے، یا کس کے بارے میں بات کہی جا رہی ہے، وہ مومن ہے یا کافر
ہے، عام مومن ہے یا کوئی پیغمبر اور اس کا لحاظ کر کے قرآن کی تفسیر کرنی چاہئے ورنہ آپ
آیت کو غلط رُخ پر ڈال دیں گے، جائیے، سوچئے پھر بات ہوگی۔
میں نے صُواع کی تحقیق کی، یہ جان کر حیران رہ گیا کہ اہلِ لغت کا ایک گروہ سقایہ
اور صُواع کو ایک نہیں مانتا اور نہ یہ کہتا ہے کہ صواع کو مذکر مانتا ہے۔ اس انکشاف
کے بعد مولانا مرحوم کے دوسرے سوالات کی روشنی میں غور کیا تو یہ سمجھ میں آیا کہ آ
تو کسی اور طرف لے جا رہی ہیں مگر پوری طرح قابو میں نہیں آ پاتیں جب دوبارہ گفتگو
ہوئی تو انھوں نے جو کچھ کہا وہ اپنے لفظوں میں پیش کرتا ہوں۔ وَلَمَّا دَخَلُوا
کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت یوسف کے سوتیلے بھائی بنیامین کو لے کر اُن کے پاس

تو انھوں نے اپنے سگے بھائی بنیامین کو اپنے کمرے میں ٹھہرایا اور دوسرے
بھائیوں کو قریب ہی دوسری شاہی عمارت میں جگہ دی، یہ اس لئے کہ وہ
اپنے بھائی سے معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ان کے ساتھ بھائیوں نے کیا
سلوک کیا؟ چنانچہ ان کی داستانِ جور و ستم سن کر اپنا تعارف کرایا اور
تسلی دی کہ ان کے نازیبا سلوک پر غمگین نہ ہو۔ اس آیت میں یہ کہیں نہیں
ہے کہ بھائی کو روکنے کے لئے انھوں نے کوئی "اسکیم" تیار کی اور بھائی کو
بتایا کہ ہم اپنی اسکیم کو اس اس طرح نافذ کریں گے۔ تم پیش آمدہ صورت
حال سے پریشان نہ ہونا۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ ـــ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ (آیت ۷۰) کا خلاصہ یہ ہے کہ جب
بھائیوں کے لئے سامانِ سفر تیار کر دیا۔ غلہ کے علاوہ راستے کا کھانا اور
پانی کا نظم کیا، جس طرح سب کے لئے کیا بھائی کے لئے بھی نظم کیا، مزید
یہ کہ ان کے تھیلے میں اپنا گلاس یا کٹورا بھی رکھوا دیا اپنی نشانی کے طور پر اور مزید
خاطر داری کے پیش نظر۔ اس کا علم صرف یوسف کو ہے یا شاہی مطبخ کے کارندوں
کو۔ بنیامین بالکل نہیں جانتے!۔ حضرت یوسف نے جب داستانِ مظلومیت سنی
تو شدید خواہش فطری طور پر ان کے اندر ابھری کہ کسی طرح بھائی رک جاتا! اور ان
ظالموں سے اسے نجات مل جاتی، لیکن ان کا ناخنِ تدبیر اس عقدہ کو حل نہ کر سکا اور
اللہ تعالیٰ کی یہ دائمی سنت ہے کہ جب اس کا کوئی بندہ کسی مشکل میں پھنس جاتا ہے یا
وہ کوئی عمدہ کام کرنا چاہتا ہے یا اس کے دل میں کوئی تمنا ابھرتی ہے اور وہ اسے کر نہیں
پاتا، عاجز ہو جاتا ہے تو اللہ اپنی مخفی تدبیر سے اسے حل کر دیتا ہے اس کی تمنا پوری کر دیتا ہے
چنانچہ بعد کی آیتوں میں جو ماجرا بیان ہوا ہے اس میں خدا کا مخفی ہاتھ کام کر رہا ہے۔ خدا اور صرف
خدا کا مخفی ہاتھ! ـــ یوسف کا اس میں کچھ بھی ہاتھ نہیں ہے ـــ یہ اس لئے تاکہ خدا سے گہرا تعلق
رکھنے والے بندے کی آرزو پوری ہو۔!!
ہوا یہ کہ وہ کارندے جو غلہ ناپنے پر مامور تھے یوسف کے بھائیوں کو غلہ ناپ چکے

[illegible] غلہ ہی [illegible] یوسف کا مقرر [illegible] سمان [illegible]

اور [illegible] سب اسمی [illegible] باقی ہیں [illegible]

ان کے [illegible] وہ [illegible] تھا کہ [illegible] کو ان [illegible]

[illegible] انھیں [illegible] اور ان کے [illegible]

[illegible] یوسف کے پیچھے دوڑے [illegible] قافلہ والے [illegible]

انھوں نے پوچھا کہ تمہارا کیا چیز گم ہوگئی ہے۔ کارندوں نے [illegible]

[illegible] بادشاہ [illegible] السلام نے [illegible]

[illegible] کے پاس [illegible] وجہ سے [illegible] جائیں گے

[illegible] کام میں کوتاہی کا الزام آئے گا۔ یوسف کے بھائیوں نے چوری سے اپنی برات [illegible]

[illegible] لیکن انھیں [illegible] انھوں نے کہا اگر وہ نکل آیا تو کیا [illegible]

[illegible] نے کہا جس کے تھیلے میں نکلے اسے مال کے [illegible] کے پاس سے جایا جائے

[illegible] کی مذمت کریگا۔ چنانچہ قافلے کے سردار نے جس سے یہ گفتگو ہو رہی تھی

[illegible] طرح بقیہ لوگوں کی تلاشی لی گئی اور سب سے پیچھے بنیامین تھے

تھیلے کی تلاشی لی [illegible] قیمتی گلاس برآمد ہوا۔ کارندوں نے کہا یہ دیکھو یوسف [illegible]

[illegible] یوسف کے پاس چلو۔ چنانچہ کارندے انھیں لئے یوسف کے [illegible]

اور سرکاری پیمانہ کی گم شدگی سے لے کر گلاس برآمد ہونے تک کی ساری گفتگو اور کارروائی سنائی

اور یہ بھی بتایا کہ انھوں نے چوری کی سزا یہ بتائی ہے اس کے بموجب بنیامین کو آپ کے پاس لائے ہیں

روک لیجئے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ سرکاری پیمانہ کی گم شدگی کا، کارندوں کا انھیں روکنا اور پوری گفتگو

کا بالکل علم نہیں ہے۔ جب کارندے انھیں پکڑ کر یوسف کے پاس لائے اور پورا ماجرا [illegible]

انھیں علم ہوا انھوں نے جانا کہ یہ اللہ نے ان کی مشکل کو حل کیا جس کے حل کی کوئی تدبیر ان کی سمجھ

میں نہیں آتی تھی چنانچہ انھوں نے غلہ کے کارندوں کو بتایا کہ بنیامین چور نہیں ہیں یہ پیالہ ہمارے مطبخ

[illegible] میرے حکم سے رکھا تھا البتہ ظالم بھائیوں کو نہیں بتایا کیونکہ بتاتے؟ مظلوم بھائی کو

[illegible] چنانچہ اللہ نے خود فرمایا فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا

لَهُمْ (آیت ۷۷) یعنی یوسف نے گلاس والے واقعہ کو اپنے دل میں رکھا۔ ان ظالم بھائیوں کو نہیں

بتایا" اسم [illegible] مطلب آہستہ [illegible]

اور [illegible] پر ختم ہوتا ہے۔ "ذَالِكَ" اسم اشارہ بعید ہے یعنی اس سے [illegible] مقصود ہوتا ہے

اس بات کی طرف جو لفظوں میں پہلے بیان ہو چکی ہوتی ہے یا اور [illegible]

بیان ذَالِكَ سے اشارہ اس پورے واقعہ کی طرف ہے جو [illegible]

گلاس کی برآمد پر ختم ہوا۔ اس کو خدا نے اپنی مخفی تدبیر [illegible]

بتایا [illegible] یوسف کی خاطر [illegible] وہ کوئی تدبیر اپنے مظلوم بھائی کی [illegible]

لئے ہم نے ان کی خواہش پوری کرنے کے لئے یہ کیا کَذَالِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ [illegible] طرح [illegible]

ہم نے کی یوسف کے لئے) مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ مَا كَانَ کے بعد لام مکسور آکر

مضارع پر آئے تو اس کا ترجمہ "ہرگز [illegible]" سے کیا جاتا ہے۔ یَأْخُذَ اخذ سے بنا ہے جس کے معنی "پکڑنے"

کے نہیں آتے۔ ملزم اور پولیس کا بیان ہو تو وہاں پکڑنے کا ترجمہ کیجئے۔ اس کے معنی "لینے" کے آتے ہیں

اس کا ترجمہ یہ ہے "وہ اپنے بھائی کو [illegible] لے سکتے تھے ملکی قانون کی رو سے" کیوں؟ اس لئے کہ

ملکی قانون میں یہ سزا تھی ہی نہیں۔ ملکی قانون میں چور [illegible] ہے اور یہ یوسف کی منشا کے خلاف

بات ہے اس لئے اللہ نے بھائیوں کے منہ سے وہ سزا [illegible] جس کے نتیجے میں مظلوم بھائی اپنے

بھائی کے پاس پہنچ گیا۔

"إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ" اس جملہ میں اِلَّا منقطعہ ہے جس کا ترجمہ "لیکن" اور "البتہ" سے کیا جاتا ہے

اور اِلَّا کے بعد آنے والا اسم لفظاً منصوب ہوتا ہے محلاً مرفوع ہوتا ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے اور اس

کی خبر مذکور ہوتی ہے اور اکثر حذف ہوتی ہے۔ اور اِلَّا سے پہلے ایک جملہ نافیہ حذف ہوتا ہے اردو میں اس

پورے جملہ کا ترجمہ یوں کیجئے "کسی کی مشیت نہیں چلتی ہے صرف اللہ کی مشیت ہی نافذ ہوتی ہے" وہ جو چاہتا

ہے وہ ہو کر رہتا ہے اس نے اس موقعہ پر جو کرنا چاہا وہی ہوا۔ عربی میں عبارت اس طرح بنا سکتے ہیں لَا تَجْرِي

مَشِيئَةُ أَحَدٍ وَلَكِنْ مَشِيئَةُ اللَّهِ هِيَ الَّتِي تَنْفُذُ" اس جملہ کا اردو میں ترجمہ یوں کرتے ہیں "مگر یہ کہ اللہ چاہے"

[illegible] یہ بات پوری طرح گرفت میں نہیں آتی

نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ (آیت) اس جملہ کا ترجمہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو ہم چاہتے ہیں بلند مراتب

[illegible] کرتے ہیں اور مطلب یہ کہ یوسف ہمارے رفیع الدرجات بندے تھے۔ انھوں نے ہم سے [illegible]

ہم نے انکی مشکل حل کردی ۔ جو چیز وہ کسی طرح نہیں پا سکتے تھے وہ انھیں دے دی "مَن نَّشَاءُ" کا مفہوم یہ
ہے کہ اللہ الل ٹپ کسی کو کچھ نہیں دیتا ، جو بھی بخشش کا اپنے کو مستحق بناتا ہے اس کو دیتا ہے اس لئے کہ وہ علیم بھی
ہے حکیم بھی ۔ غلط بخشی اس کی شان کے منافی ہے ۔
وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (آیت ۷۶) ذی علم اور علماء قرآن کی زبان میں ان لوگوں کو کہتے ہیں جو علم وحی سے آشنا
ہو چکے ہیں ۔ جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں ، جو اللہ پر کلی اعتماد کرتے ہیں اور جن کا تعلق اللہ سے بہت گہرا ہے ، فوقیت کے
معنی برتری ہی کے نہیں آتے بلکہ حفاظت اور نگرانی کے بھی آتے ہیں ۔ اس جملہ کا صحیح مطلب نظم کی روشنی میں یہ ہے کہ اللہ
اپنے بندۂ خاص کی حفاظت و نگرانی کرتا ہے ، اسکے ساتھ محبت و رحمت کا معاملہ فرماتا ہے ، وہ ہمہ گیر اور محیط علم رکھتا
جب وہ دیکھتا ہے کہ اسکا بندہ نہیں جانتا کہ کس طرح اپنی مشکل کو حل کرے ، اُسے نہیں معلوم کس طرح اپنے مظلوم بھا
روکنے کی تدبیر کرے تو اللہ بڑھ کر اس کی مشکل حل کر دیتا ہے ، اور اس طرح حل کر دیتا ہے کہ خود بندہ بھی حیران رہ جا
ہے یا اسی طرح کا جملہ ہے جیسے یَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ دونوں کا مفہوم ایک ہے ۔
اس درازنفسی کا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ مولانا اختر احسنؒ کس طرح لفظوں کو پکڑ کر چلتے تھے
ان کے سوچنے کا انداز کیا تھا ، آپ کے سامنے ان آیتوں کی دونوں تاویلیں ہیں ، دیکھیے کہ کون سی تاویل
ہے ۔ اور آخر میں اپنی ایک تمنا کا خون !
میں نے مولانا سے کہا تیسواں پارہ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کیا کیا جائے ، انھوں نے کہا ہاں
مجھے بھی مشکل معلوم ہوتا ہے کبھی اسے پڑھانے کا موقعہ نہیں ملا ، اچھا ایسا کرو کہ جتنے تفسیری اقوال ہیں نوٹ کرو او
لسان العرب اور دوسرے لغات سے الفاظ کی تحقیق لکھ لو اور دیکھو کہ ہر لفظ میں کتنی وسعت ہے ، پھر رمضان کی تع
میں آؤ اور سیدھا سلطانپور (مولانا کا وطن) میں مطالعہ ہو ، مدرسۃ الاصلاح پر سکون نہ ملیگا ۔ یہ بات
ہوئی رام پور میں وہ شوریٰ سے فارغ ہو کر مدرسہ آئے اور پھر ان کے رب نے انھیں بلا لیا ۔ انا للہ وانا
راجعون ۔ اس طرح اپنی آخری آرزو حسرت بن گئی اور آج تک بنی ہوئی ہے ۔ !!

جلیل احسن ، جامعۃ الفلاح ، بلریا گنج ، اعظم گڑھ

۱۳ محرم ۱۴۰۱ سنہ ہجری

مولانا اختر احسن اصلاحی

مولانا ابوالکلام قاسمی

صالح اٹھان

خاندانی زندگی ، مستقبل کا گلزار ، امام فراہی کی صحبت سے سود

علامہ حمید الدین فراہیؒ کے یہ دو قطعے مولانا اختر احسن اصلاحیؒ کی شخصیت کی تصویر ہیں

(۱)

گوشہ گر گمنام بدان از خامی است — آوازہ و نام جو کز خوش فرجامی است
در پیش فراہی اے نکو اندیشاں — این جستن نام بدترین بدنامی است

ترجمہ : لوگ کہتے ہیں گمنام رہنا عیب کی بات ہے — شہرت ڈھونڈو ، ہونا تو اس کی خوش انجامی ہی ہے
فراہی کے نزدیک تو اسے بھی خواہو ! — یہ ناموری کی خواہش بدترین بدنامی ہے

(۲)

نادان در جستجوے کام افتادہ است — دانا در جستجوے نام افتادہ است
بگزر فراہیا ازیں ہر دو کہ زود — بینی کہ گاو ہر دو بدام افتادہ است

ترجمہ : نادان لذتوں کی تلاش میں سرگرداں ہے ، — دانا ناموری کی دھن میں پریشان ،
فراہی ! تم ان دونوں سے گزر رہو کہ جلد ہی — تم دیکھو گے کہ ان کی ہر ایک جال میں آ پھنسی ہے

مولانا اختر احسن اصلاحیؒ کی زندگی امام فراہیؒ کے ان احساسات و افکار سے بڑی متاثر تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ اتنی بے پناہ صلاحیتوں کا مالک ، قرآن کا یہ عظیم مفکر ، تحریک اسلامی کا یہ قابل فخر کارکن اور اپنے رب کا فرمانبردار عجز و انکسار کا پیکر گوشۂ گمنامی میں پڑا رہا ۔ مولانا کے قریب ترین شاگرد اور خلوت و جلوت کے رفیق بھی ان کی ناموری اور گہری طبیعت سے ناواقف اور ... کون شخصیت ... کراہت سے تاثر ہیں ۔ پھر بھی ایک ابتدائی حالات اور خاندانی احوال اور کچھ نمایاں صفات کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں ۔

۱۹۰۱ء مولانا اختر احسن صاحب اصلاحیؒ ... نے ایک تجیبہ ... ۱۳۲۰ھ مطابق

[illegible] پیدا ہوئے۔ خاندان زمیندارانہ تھا۔ والد حافظ قرآن تھے۔ انگریزوں کے دور میں کھیتوں کی پیمائش کیا کرتے تھے۔ [illegible] اور غصہ ور تھے [illegible] میں ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور مولانا والد کی سختیوں سے بچانے کے لئے نانیہال لے آئے گئے۔ ان کے نانا [illegible] بڑے [illegible] اور [illegible] کے مرید بھی تھے۔ ان کے دور کے نانا کو [illegible] بڑے صاحبزادے مولوی محمد شفیع نے آگے چل کر مدرسۃ الاصلاح کی بنیاد ڈالی اور رد بدعت اور اصلاح معاشرہ کے لئے انجمن اصلاح المسلمین قائم کی۔ اسی انجمن نے "مدرسہ اصلاح المسلمین" کی بنیاد رکھی جو آج "مدرسۃ الاصلاح" کے نام سے معروف ہے۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات:۔ مولانا مرحوم کی دو بہنیں تھیں دونوں اللہ کو پیاری ہو گئیں ایک چھوٹے بھائی ہیں جو اللہ کے فضل سے ابھی حیات ہیں۔ آپ کی تمام تر تعلیم مدرسۃ الاصلاح میں ہوئی وہیں سے تعلیم کا آغاز کیا اور تکمیل بھی۔ عربی ادب اور قرآن سے شغف تھا اور اسی میں [illegible] مدرسۃ الاصلاح ہی کی دین ہے۔ آپ نے بچپن ہی سے قرآن سے خصوصی تعلق قائم رکھا اگرچہ آدمی کم سخن تھے جس کی وجہ سے صلاحیتوں کا اظہار نہیں ہو پاتا تھا لیکن [illegible] پر ندرت کمال حاصل تھی۔ ایک بار استاذ امام حمید الدین فراہی کے انتقال کے بعد جناب مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے تدبر قرآن، [illegible] کے متعلق کوئی مقالہ لکھنے کو کہا دونوں نے لکھ کر استاذ کو [illegible] نے [illegible] پسند کیا اور فرمایا جو لوگ خاموش رہتے ہیں زیادہ سوچتے ہیں۔

ایک بار علامہ سید سلیمان ندوی مدرسۃ الاصلاح آئے تو مولانا [illegible] نے مدرسے کے چار لڑکوں کو سید صاحب کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے اردو کے [illegible] اور عربی میں [illegible] ترجمہ کرنے کے لئے دیا۔ آخر میں سید صاحب نے [illegible] صاحب اور مولانا امین احسن صاحب کے ترجمہ کو بہت پسند فرمایا۔ گویا طالب علمی کے زمانہ ہی سے آپ کلاس کے لوگوں سے زیادہ ذہین اور باصلاحیت تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا [illegible] صاحب نے ہم جماعت

ہونے کے باوجود انہیں ہمیشہ بزرگ سمجھا اور ہر معاملہ میں ان پر بھروسہ کیا اور ان کا مشورہ قبول کیا۔

فٹبال کا کھلاڑی:۔ زمانہ طالب علمی میں آپ فٹبال کے بہترین کھلاڑی سمجھے جاتے۔ وہ جس ٹیم کا ساتھ دیتے، جیت جاتی تھی لیکن کھیل کود میں ان کی ایک انفرادی شان تھی۔ عام طور سے کھیل کے میدان میں اچھے اچھے کھلاڑی دینداری، سنجیدگی اور شرعی تقاضوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں بلکہ کھیل اور سنجیدگی دو متضاد [illegible] ہو کر رہ گئی ہیں لیکن مولانا صحابہ کرامؓ کے اسی عمل کو نمونہ بناتے:

> بلال بن سعدؓ کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرامؓ کو [illegible] دیکھا ہے اور ان میں ایک دوسرے سے ہنستے ہوئے بھی پایا ہے لیکن جب رات ہوتی تو راہب بن جاتے تھے۔ (مشکوٰۃ)

> ایک بار حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ کے صحابہ ہنستے بھی تھے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں وہ ہنستے بھی تھے اور ایمان ان کے دلوں میں [illegible] پہاڑ سے بھی زیادہ [illegible]

حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کے صحابی حضرات تنگ دل اور تنگ ذہن نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی وہ اپنے آپ کو بتکلف مردہ بنائے رکھتے۔ وہ لوگ تو اپنی مجلسوں میں شعر سنتے اور پڑھتے اور جاہلی زندگی اور اس کی تاریخ بیان کرتے البتہ جب ان سے کے دین کے سلسلے میں کوئی نامناسب مطالبہ کیا جاتا تو ان کی آنکھوں کی پتلیاں غصہ کی وجہ اس طرح ناچنے لگتی جیسے کہ وہ بالکل [illegible] گئے ہوں۔

مولانا اختر احسن اصلاحی کھیل کو صحت کے لئے ضروری خیال کرتے لیکن اس سلسلہ میں بھی شرعی حدود اور تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھتے۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار [illegible] ٹیم مدرسۃ الاصلاح سے فٹبال کھیلنے گئی۔ اس ٹیم میں مولانا بھی شریک تھے [illegible] میں اس ٹیم کی حیرت انگیز کامیابی پر بیگمات والی ریاست نے بھی کھیل دیکھنے کی خواہش کی [illegible] نے فرمایا کہ اگر پردے کا اہتمام کیا جائے اور بیگمات سامنے نہ رہیں تو کھیل [illegible] ورنہ میرے لئے کھیل میں حصہ لینا ناممکن ہے۔ چنانچہ چلمنوں اور [illegible] ڈال

بغیر نماز کے جنت بیکار :- مولانا کو نماز سے بے پناہ عشق تھا۔ وہ اس سے سکون و طمانیت حاصل کرتے اور اپنے محبوب حقیقی کا دیدار حاصل کرتے تھے۔ "نماز اس طرح پڑھو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو خدا تمہیں دیکھ رہا ہے" یہ تصور مولانا کی نمازوں پر حاوی تھا۔ اس کے لیے حد سے زیادہ اہتمام فرماتے۔ اور جذبۂ اسلامی کا پیمانہ اسے قرار دیتے۔ برسوں جماعت اسلامی کے مقامی امیر اور مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن بھی، لیکن کسی ایسے امیدوار رکنیت کے فارم پر دستخط نہ کرتے جو نمازوں میں چوری کرتا یا سستی کرتا ہو۔ چاہے وہ اپنی جگہ کیسا ہی معتبر تعلیم یافتہ، دانشور اور صالح و سرگرم کارکن کیوں نہ ہو۔ وہ کہا کرتے تھے کہ نماز آدمی کی صلاحیتوں کی کسوٹی ہے جو تحریک اقامت دین میں حصہ لینا چاہے وہ پہلے اقامت صلوٰۃ کرے اس کے بغیر اقامت دین کی کوشش بے سود ہے۔ حضرت عمر فاروق نے اپنے گورنروں کو تاکید کرتے ہوئے لکھا:

"ان اهم امورکم عندی الصلوٰۃ فمن حفظها وحافظ علیها حفظ دینه ومن ضیعها فهو لما سواها اضیع" - تمہارے کاموں میں سب سے اہم کام میرے نزدیک نماز ہے جس نے اس کی حفاظت کی اور اس کی سماوی شرائط اور آداب کو ملحوظ رکھا اس نے اپنے دین کی حفاظت کی اور جس نے اسے ضائع کردیا وہ بقیہ چیزوں کے ضائع کرنے میں تو اور زیادہ بیباک ہوگا۔

مولانا کے نزدیک نماز کا دوسرا نام جنت ہے۔ انھوں نے ایک بار کسی شیلے کے سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ ایمان افروز اور پرجوش الفاظ کہے جو آج عام طور سے نقل کیا جاتا ہے کہ: "وہ جنت کی اصل رونق نماز سے ہوگی، جس جنت میں نماز نہ ہو وہ جنت کیا ہوگی"۔

ملک کی صحت مند اور اعلیٰ قدروں کا نقیب
سماج کے رنگا رنگ گوشوں کا ترجمان

دارالکتب بے جمالی کمیٹی بمبئی کے زیر اہتمام ایک دینی و علمی سماجی و ادبی جریدہ کا اجراء

ادب و صحافت کی دنیا میں ایک نیا قدم

ماہانہ اردو میگزین کی حیثیت سے :-

نشاۃ ثانیہ

مدیر :- سید اقبال
معاون مدیر :- ہارون رشید ملیگ
سائز : ۲۳ × ۳۶ / ۸

طباعت آفسیٹ، صفحات دو سو سے زائد
قیمت :- ۲۵/- روپے۔ ایجنٹ حضرات خط و کتابت سے معاملہ طے فرمائیں
• لائبریریوں کے لئے خصوصی رعایت

نشاۃ ثانیہ ۲۲۲ ، [illegible] ، بمبئی

ان ... وہ بات درمیان موجود ...

... استاد محترم ... جہاں ہر روز کوئی نہ کوئی ...

... اصلاحی درحقیقت مولانا فراہی کے تقویٰ کی تصویر تھے ... دیکھنے والوں نے دیکھا

... وہی تقویٰ، وہی احسان شناسی، وہی خوف آخرت، وہی خدا ترسی ...

... ان کے استاد محترم مولانا فراہی متصف تھے ...

... نمایاں ہوتا تھا۔

اُن کی ہر ادا سے مومن کا کردار نمایاں تھا

(اسرار احمد خاں)

ادارہ تصنیف علی گڑھ

مولانا مرحوم کی زندگی ... اور اس پر یقین بھی ... دونوں کو ایک جگہ نہیں ... اگر دین کو سنوارتا ہے تو دنیا چھوڑنی ہوگی اور دنیا بنانی ہے تو ...

... ہاتھ دھونا پڑے گا۔ مولانا نے اپنے کردار و عمل سے ثابت کر دیا کہ جس حد ... مفسر قرآن اور عالم دین مولانا حمید الدین فراہی کی مخصوص نگرانی اور ...

... ہو تو ان کے پٹا گرد رشید اور سچے علمی جانشین مولانا امین احسن اصلاحی ... آپ کے صحابہ اور بعد کے بزرگوں نے زندگی کے ہر رخ کو ان ... کے رسول کے ...

... تفسیر تدبر قرآن کو دیکھئے۔ اس تفسیر کا ایک ایک نکتہ ... طرح ہر مرد مومن کے لئے بھی یہ ممکن ہے کہ وہ دین اور دنیا دونوں کو ساتھ ...

... کرتا ہے۔ بلاشبہ مولانا امین احسن اصلاحی اپنے استاد کے علم کا جیتا جاگتا نمونہ تھے اور دونوں کی بھلائیاں سمیٹے۔ مولانا کی گھریلو زندگی، بازار کی زندگی، مدرسہ کی زندگی اور ...

... زندگی میں کوئی بعد نہیں تھا۔ وہ ہر جگہ پوری مومنانہ شان کے ساتھ جلوہ گر ہیں ...

... تعبیر ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی کی زندگی کا ایک اور رخ انتہائی تابناک تھا۔ وہ ... ایک ہی رنگ تھا، اللہ کا رنگ۔ ہر گوشہ میں قرآن و سنت کی پیروی تھی کہیں بھی ...

... قرآن تو تھے ہی۔ بالکل اسی پیمانے پر وہ متقی و پرہیزگار، دیانت دار، خدا ترس ... نفاق کا نام و نشان نہیں تھا۔ ان جیسی شخصیتوں اور ان کے پاکیزہ کردار و عمل کو دیکھ ...

... اور ... شناس بھی تھے۔ ان کی پوری زندگی تقویٰ کا چلتا پھرتا نمونہ تھی۔ وہ قرآن ... یہ دنیا ہے کہ وہ پیدا ہی اس پاکیزہ فطرت پر کئے گئے تھے حالانکہ ...

... نہیں کرتے تھے بلکہ قرآن پر عمل بھی کرتے تھے۔ انھوں نے زہد و تقویٰ کی ریاضت ... فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین ... ماحول اور ...

... مشغولیتوں اور مصروفیتوں سے کٹ کر کسی خانقاہ یا گوشۂ تنہائی میں پناہ نہیں لی بلکہ ... مولانا کی زندگی کا غور سے مطالعہ کرنے ...

... ہنگاموں کے درمیان رہتے ہوئے اسوۂ رسول کی اتباع کی۔ اور کبھی بھی مقام عبدیت ... گوارہ نہ کیا ... استاد محترم ... زبردست ...

... تک کہ اپنے حقیقی باپ اور بھائی کے خلاف شہادت دیدی لیکن حق کو چھپانے یا حق کے خلاف ... حقیقت ہے ... مولانا نے کتاب و سنت کو ... سمجھا تھا ...

گواہی دینے کا ارتکاب نہ کیا۔ اس مرد مومن میں تقویٰ کی صفت، اتباع قرآن و سنت کی صفت ... ایمان دل میں راسخ کر لیا تھا، خوف خدا اور تصور آخرت کو دل و دماغ میں ... تھا۔

... کی صفت کی روحانی وراثت ان کے دوسرے شاگرد رشید حضرت مولانا ... قدم بقدم ... جاتے تھے اور آگے بڑھتے ...

[illegible] راہ ہدایت

[illegible] منشاء کے خلاف توہین ہے۔ اگر [illegible]

[illegible] کے مصداق تھا:

[illegible] اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ [illegible] فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ (الاعراف: ۲۰۱)

حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان سے [illegible] تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انھیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لئے صحیح طریق کار کیا ہے۔

[illegible] مولانا مرحوم کے جواب [illegible] تھی کبھی غلطی پر جب بھی انھیں [illegible] نے توبہ دلائی تو وہ فوراً چونک جاتے تھے اور توبہ و اصلاح کی طرف مائل ہوتے تھے۔ [illegible] کوئی غیر فطری امر نہیں ہے۔ خود سرور عالم ؐ کا فرمان ہے کہ کل بنی آدم خطاء و [illegible] التوابون۔ (تمام بنی آدم خطاکار ہیں لیکن بہترین خطاکار وہ [illegible]) [illegible] وقت ہوتی ہے جب وہ بہترین غلطی [illegible] توبہ و اصلاح [illegible]

[illegible] مولانا کی زندگی کا ایک بڑا مشہور واقعہ ہے:

[illegible] (واقع موضع [illegible] ضلع سلطانپور، اعظم گڑھ) ایک غیر مسلم کا کھیت تھا۔ [illegible] مولانا کے گھر کی مرغیاں دن بھر پھرتی رہتی [illegible] وہ کھیت اور اس کا مالک آج بھی موجود ہیں۔ اس کھیت میں [illegible] تھیں اور فصل کو کافی نقصان پہونچاتی تھیں۔ کھیت کے مالک نے کئی بار گھر والوں سے شکایت کی لیکن مرغیوں کو گھر ہی میں رکھنا ان کے بس کی بات نہ تھی اور مولانا کو اس کی واقفیت ہی نہیں تھی۔ وہ زیادہ تر مدرسۃ الاصلاح سرائمیر ہی میں رہتے تھے۔ کبھی کبھار گھر چلے جاتے تھے۔ ایک بار جب وہ گھر گئے [illegible] مرغیوں والے معاملہ کی بھنک ان کے کان میں پڑی [illegible] فوراً گھر والوں کو مرغیاں فروخت [illegible] مولانا نے [illegible] حکم دیکر مدرسہ چلے گئے اور ادھر گھر والوں نے [illegible] مولانا جب دوبارہ گئے اور وہی منظر دیکھا کہ مرغیاں سامنے کھیت میں یلغار کئے ہوئے [illegible] تو گھر والوں کو سخت تنبیہ کی اور اسی وقت ساری مرغیاں اونے پونے [illegible] فروخت کر دیں۔ وہ دن اور آج کا دن اس گھر میں مرغی پالی ہی نہیں جاتی۔ گھر والوں کو مولانا کا [illegible] یہ واقعہ اپنی کیفیت کے لحاظ سے قابل التفات [illegible]

اپنی اہمیت کے اعتبار سے بہت بڑا ہے۔ اس سے مولانا کے پورے کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ جو شخص چھوٹی چھوٹی لغزشوں پر سر جھکا کر گذر جاتا ہے اور ان کے وقوع کو برداشت کر لیتا ہے وہ بڑی غلطیوں اور بڑے گناہوں پر کیا متنبہ ہوگا اور اس سے بچنے کی کوشش کریگا۔ اس اعتبار سے مولانا اختر ؒ کی زندگی بڑی احتیاط کی زندگی تھی۔ اس کے کسی پہلو پر بھی میل نہیں تھا۔ بلکہ ایسی صاف و شفاف تھی کہ مومن کا کردار جھلکتا تھا۔

نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں مولانا فراہیؒ کے ایک واقعہ کا ذکر کر دیا جائے۔ یہ واقعہ اور مولانا اختر ؒ کے مندرجہ بالا واقعہ میں کتنی حیرت انگیز حد تک مماثلت ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ استاذ کی پاکیزہ سیرت نے کتنا گہرا اثر شاگرد پر ڈالا تھا۔ بہرحال وہ واقعہ یوں ہے کہ مولانا فراہی کو ایک بار انبیاء اور خصوصاً آخری نبیؐ کی سنت کی اتباع میں بکریاں پالنے اور انھیں چرانے کی خواہش ہوئی۔ بلکہ پھر انھوں نے گلہ خرید بھی لیا۔ اور سنت رسول کی پیروی کی لذت سے سرشار وہ روزانہ بکریوں کے ریوڑ کو چرانے لگے۔ ابھی چند ہی دن گذرے تھے کہ گاؤں کے ایک جہاں دیدہ شخص نے مولانا کو حیرت سے بکریاں چراتے ہوئے دیکھا اور پوچھا "مولانا یہ کیا کر رہے ہیں؟" فرمایا "رسول اللہؐ کی سنت کی پیروی کر رہا ہوں۔" اس شخص نے بلا تامل کہا۔ "مولانا اس سنت کی پیروی میں نہ جانے کتنا گناہ بھی بٹور لیں گے؟" مولانا چونکے اور وضاحت چاہی۔ اس شخص نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "بکریاں بکریاں ہی ہیں۔ ان پر آپ کہاں تک قابو رکھیں گے۔ ایک دو بکری ہوتی تو کوئی بات بھی تھی لیکن یہاں معاملہ پورے جھنڈ کا ہے۔ وہ کسی بھی وقت دوسرے کے کھیت میں پڑ سکتی ہیں۔ اگر انھوں نے ایک بار بھی فصلوں پر منہ مار دیا تو سوچئے کتنا بڑا گناہ ہوگا۔" مولانا لرز گئے۔ بات تو اپنی جگہ بالکل درست تھی۔ وہ فوراً اٹھے اور اسی وقت ساری بکریاں اونے پونے داموں بیچ دیں۔ گناہ کے خوف سے اتنا بھی انتظار نہ کیا کہ جب اچھے دام لگ جائیں گے تو بیچ دیں گے۔

مولانا کی دوسری خوبی جو بہت زیادہ ابھری ہوئی اور دوسری صفات کے مقابلہ میں زیادہ نمایاں تھی وہ تھی پوشیدہ طور پر انفاق فی سبیل اللہ۔ ایثار و عزیمت کے مقام پر فائز ہونے کے لئے، اوصاف حمیدہ کو نشو و نما دینے کے لئے، اور نفس و اخلاق مسلسل تزکیہ کرنے کے لئے

انفاق فی سبیل اللہ انقلابی کاموں کا ذریعہ ہے۔ یہ انسان کی شخصیت کی تکمیل کرنے اور سنوارنے کا کام کرتا ہے۔ اس سے ایک طرف انسان کے اندر موجود حیوانی خصوصیات بخل، خود غرضی، تنگ نظری، سنگ دلی اور قطع رحمی آہستہ آہستہ فنا ہو جاتی ہیں اور دوسری طرف خالص ملکوتی صفات، فیاضی، ہمدردی، وسیع النظری، وسیع القلبی اور صلہ رحمی پرورش پاتی ہیں۔ اور پھر انھیں کا عکس زندگی کے ہر گوشے پر پڑتا ہے اور دیکھنے والوں کو صاف نظر آتا ہے کہ فلاں شخص کیسا ہے اعمال میں، عادات میں، اطوار میں کتنا پاکیزہ اور عالی ظرف ہے۔ مولانا اختر احسن اصلاحی اپنی پوری زندگی اسی اصول پر کاربند رہے۔ وہ ہر ماہ اپنی تنخواہ کا ایک مقررہ حصہ مستحق طلبا، غریبوں، محتاجوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں پر صرف کرتے تھے۔ اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا۔ یہ کام وہ بہت چپکے سے اور خاموشی کے ساتھ کرتے تھے۔ اس احتیاط کی وجہ سے کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کن کن اشخاص پر خرچ کرتے تھے۔ البتہ بعض واقعات روشنی میں از خود آجاتے تھے تو لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا۔ مولانا مرحوم اپنے طلبا پر ماہانہ خرچ کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً کیا کرتے تھے۔ کسی طالب علم کی پریشانی پر وہ مضطرب ہو جاتے تھے اور چپکے سے اس کی مدد کرتے تھے کہ خود اسے بھی خبر نہیں ہو پاتی تھی۔ موسم سرما کی راتوں میں جب ہر طرف سناٹا چھا جاتا تھا، بتیاں بجھ جاتی تھیں اور ہر چھوٹا بڑا نیند کی آغوش میں چلا جاتا تھا تو وہ دارالاقامہ کا چکر لگاتے تھے اور ہر طالب علم کا جائزہ لیتے تھے اور اگر کسی کو بغیر لحاف یا ناکافی بستر کے ساتھ پاتے تو سب کی لاعلمی میں لحاف خرید کر یا بنوا کر رات کی تنہائی میں چپکے سے طالب علم کے اوپر ڈال آتے تھے۔ اللہ کو اپنے بندے کی یہ ادا کتنی پسند آئی ہوگی۔ طلبا میں مولانا کا یہ بے لوث کردار وقتی موضوعِ سخن بنا ہوگا اور فرشتوں نے ان کے حق میں مغفرت کی دعائیں بھی مانگی ہوں گی۔

غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد ان کا خاص مشغلہ تھا۔ جب بھی کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے کا معاملہ سامنے آیا انھوں نے فوراً حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش کی۔ ایک بار سردیوں کے زمانے میں انھوں نے دوستوں کے شدید اصرار پر ایک نیا کمبل خریدا۔ اتفاق سے مدرسۃ الاصلاح کا باورچی سردی سے کانپتا ہوا مولانا کے پاس آیا اور درخواست کی کہ کوئی پرانی چادر وغیرہ ہو تو دے دیجیے۔ مولانا سے رہا نہ گیا فوراً وہی نیا کمبل اپنے اوپر سے اتار کر غریب باورچی کے جسم پر

ڈال دیا اور خود وہی پھٹی پرانی چادر اوڑھ لی۔ باورچی لاکھ کہتا رہا کہ مولانا میں نے کمبل نہیں مانگا تھا مجھے وہی پرانی چادر دے دیجیے۔ کام چل جائے گا لیکن مولانا نہیں مانے اور یہ گوارا نہ کیا کہ وہ خود کمبل میں ملبوس رہیں اور ان کا ماتحت بوسیدہ چادر میں۔

فرض شناسی میں مولانا اپنے استاذ مولانا فراہیؒ کی طرح طاق تھے۔ کسی کام کو یونہی ٹالنے کی عادت نہیں تھی۔ ہر کام کو وقت پر کرتے اور اچھی طرح کرتے تھے۔ کبھی کبھی ضروری کاموں میں تاخیر برداشت نہیں کرتے تھے اور ہر معاملہ میں چاہے صوم و صلوٰۃ کا معاملہ ہو، مدرسہ میں درس و تدریس اور انتظامی امور کا معاملہ ہو یا کسی دوسری ذمہ داری کا معاملہ ہو کوئی کوتاہی نہیں ہونے دیتے تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی سابق امیر جماعت اسلامی ہند نے اپنی امارت کے زمانے میں ایک بار مولانا اخترؒ کو خط لکھا اور حکم دیا کہ آپ کے حلقہ میں ایک رکن جماعت جناب سجاد احمد صاحب ساکن بگیا محمود پور، اعظم گڑھ استعفاد دینا چاہ رہے ہیں تحقیق کیجیے کہ سبب کیا ہے کیونکہ سجاد احمد صاحب کا شمار جماعت کے انتہائی سرگرم ارکان میں ہوتا تھا۔ جماعت اسلامی ہند ان کی کارکردگی کی بہت معترف تھی۔ مولانا خط پاتے ہی سجاد صاحب کے یہاں جانے کے لئے اٹھے۔ یہ مقام مدرسۃ الاصلاح سے پیدل چار میل سے زیادہ مسافت پر ہے۔ گرمی کا زمانہ تھا۔ لوگوں نے بہت روکا اور کہا کہ شام کو چلے جائیے گا۔ لیکن وہ نہ مانے اور فرمایا امیر جماعت کا حکم ہے لہٰذا اس کی تعمیل بلا تاخیر کرنی ہے۔ وہ اسی دھوپ میں پیدل سجاد صاحب کے مکان پر گئے اور ملاقات کی اور کسی دوسرے سے نہیں ملے حالانکہ آس پاس ان کے بہت سے احباب تھے۔ وہ سیدھے مدرسہ واپس آگئے اور اسی وقت رپورٹ تیار کی اور سپرد ڈاک کرنے کے بعد اطمینان کا سانس لیا۔ اگر یہ احساس ذمہ داری امیر و مامورین دونوں میں پیدا ہو جائے تو تحریک اسلامی بہت کم وقفہ میں اس مقام پر جا کھڑی ہوگی جہاں پہنچنے میں اسے صدیاں درکار ہیں۔

مولانا کے عام رویہ اور انداز گفتگو و ملاقات سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ فطرتاً حلیم، کریم النفس، بردبار اور سرد مزاج تھے حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ انھوں نے

تو غضبناکی اور بلا کی غضبناکی ورثہ میں پائی تھی۔ خود ان کے والد محترم انتہا درجہ کے غصہ ور تھے۔ مولانا کی ابتدائی زندگی خصوصاً نو عمری (Teen age) اور عنفوان شباب (Adolescence) نے آپ کے فطری غصہ کا اظہار خوب دیکھا۔ یہاں تک کہ لوگ گمان کرتے تھے کہ وہ بھی اپنے والد کی طرح اپنی غضبناکی سے خاندان کا شیرازہ بکھیر دیں گے۔ لیکن ایک دم اچانک لوگوں کو یہ محسوس ہوا کہ مولانا کا رویہ بالکل بدل گیا۔ وہ بات بات پر تنکنا، ذرا سی بات پر چڑھ جانا، کوئی خلاف مزاج واقعہ سے پارہ چڑھ جانا، آنکھوں اور چہرے پر ہمہ وقت غصہ کے آثار طاری کئے رہنا سب کافور ہو گئے یہ انقلاب ایسا تھا کہ ہر ایک نے محسوس کیا۔ بیوی، بچے، اہل خاندان، گاؤں والے، متعلقین سبھوں کو مولانا کی اس تبدیلی پر حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی۔ اس تبدیلی کے بعد سے کبھی بھی غصہ کا کسی بے جا اور ناجائز مقام پر اپنا اظہار نہیں کیا۔ بہت زندگی کے آخری لمحات تک تحمل، بردباری ایثار اور نرمی سے کام لیتے رہے۔ حالات کا جائزہ لینے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولانا کی یہ تبدیلی شعوری تھی۔ اس میں ہم لوگوں کے لئے ایک خصوصی سبق ہے کہ آدمی اپنے نفس اور فطری داعیات کے کنٹرول میں نہیں ہے بلکہ وہ آدمی کے قبضہ و تصرف میں ہوتی ہیں البتہ یہ بات اور ہے کہ آدمی اپنے آپ کو خود ہی ان کے حوالے کر دے۔ دل میں اللہ پر ایمان، آخرت کا خوف، رسول اللہ کی اتباع کا والہانہ جذبہ ہو تو آدمی اپنی تمام کمزوریوں پر قابو پا سکتا ہے۔ اور فطری داعیات کو غلط سمت سے صحیح اور پسندیدہ رخ پر موڑ سکتا ہے۔

یہ سطریں پڑھتے ہوئے آدمی یہ محسوس کرے گا کہ شاید مولانا کی زندگی میں حقوق اللہ کی ادائیگی کا کوئی اہتمام نہیں تھا یا اس پہلو پر زور نہیں تھا۔ ایسی بات نہیں ہے۔ مولانا بہر پہلو ایک راسخ العقیدہ اور صاحب عمل مسلمان تھے۔ ان کے دائرہ کے ہر فرد کو یہ معلوم ہے کہ وہ نمازوں اور روزوں وغیرہ کا ہمیشہ خصوصی اہتمام کرتے تھے۔ البتہ ہندوستانی انداز میں تقویٰ کے اس پہلو کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ ذہنوں میں تو ایک مرد بزرگ یا صالح مومن کی تصویر یہ رہتی ہے کہ اس کے جسم پر لمبا سا جبہ ہو۔ خوب لمبی سی داڑھی ہو، ہاتھ میں ہزار دانے کی تسبیح ہو، زبان پر ہمہ وقت اللہ اکبر اور سبحان اللہ کا ورد ہو، وقتاً فوقتاً با آواز بلند حق حق کی صدا ہو، سینے کے سامنے لمبی لمبی نفلیں ہوں اور ارد گرد مریدوں اور عقیدت مندوں کا لاؤ لشکر ہو۔ الحمد للہ مولانا

اس قسم کی ظاہر داریوں اور ریاکاریوں سے بالکل پاک تھے۔ سب لوگ واقف تھے۔ وہ تہجد اور دیگر نوافل نمازوں کا خصوصی اہتمام کرتے تھے لیکن کسی نے کبھی انھیں دیکھا نہیں کبھی اتفاقاً کسی نے انھیں رات کی تنہائیوں میں اللہ کے حضور سجدہ کرتے، مناجات کرتے دیکھ لیا تو دیکھ لیا ورنہ خود راز داری برتتے تھے۔ یہی حال نفل روزوں کا بھی تھا۔ ان کے ایک شاگرد رشید جناب عبدالرحمن ناصر اصلاحی جامعی صاحب کا کہنا ہے کہ مولانا نے ان کو کئی بار نصیحت کی تھی کہ سحر کے وقت مطالعہ کے لئے اٹھتے ہو تو دو رکعت نماز بھی پڑھ لیا کرو۔ وہی نصیحت وہ کر سکتا ہے جو خود اس پر عامل ہو۔ اور جو خود اس وقت کی دو رکعتوں کی لذت سے آشنا ہے۔

ہم ملت کے تمام نوجوانوں کو متحد اور منظم ہو کر
اللہ کا پرچم بلند کرنے کی دعوت دیتے ہیں

گرام: "آرکو پائپس"
فون: ۸۹۲۷۶۲
رہائش: ۵۲۲۳۵۸

سیم لیس اسٹیل پائپ۔ بوائلر ٹیوب۔ ہائیڈرولک ٹیوب اور ای۔ آر۔ ڈبلیو ٹیوب۔ رابطہ قائم کریں

افکار ٹیوب کارپوریشن

بی۔ پی۔ ٹی۔ پلاٹ نمبر ۱۵۲ رے روڈ بمبئی ۴۰۰۰۳۳

مولانا کی قرآن فہمی اور تحریک سے وابستگی

مولانا عنایت اللہ سبحانی
(ابن سعود یونیورسٹی ریاض)

ع
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

مولانا اختر احسن اصلاحی کو قرآن سے جتنا شغف تھا، دامن شوق جتنا وسیع تھا اور مینائے طلب جتنی گہری تھی، اسی کے بقدر مبدأ فیاض نے انہیں علم قرآن کے لعل و گہر سے مالا مال فرمایا تھا۔ مولانا واقعتاً ایک متبحر عالم قرآن اور ترجمان القرآن امام فراہی کے سچے جانشین تھے قرآن پاک کے سلسلے میں ان کا مطالعہ بہت وسیع اور نظر بڑی گہری تھی وہ قرآن پاک کے موزوں اسالیب پر بہت زیادہ عبور رکھتے۔ وہ الفاظ کے مزاج شناس اور کلام کے ادا شناس تھے آیات کے ترجمے بہت عمدہ اور ادبی انداز سے کرتے۔ مختلف ترجمے سامنے رکھتے اور بتاتے کہ اس ترجمہ میں یہ بات رہ گئی ہے۔ پھر فرماتے اگر یوں کیا جائے تو کیا حرج ہے؟ مثال کے طور پر سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرمایا ہے: مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ اس کا ترجمہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ کرتے ہیں:

	حیراند میان کفر و ایما
متردد اند درمیان ایں و آں	شاہ ولی اللہ دہلوی
دگد کے ہیں بیچ درمیان اس کے	شاہ رفیع الدین صاحب
ادھر میں لٹکے دونوں کے بیچ	شاہ عبدالقادر صاحب

مولانا تھانوی	معلق ہو رہے ہیں دونوں کے درمیان میں

علامہ زمخشری کی مشہور تفسیر "الکشاف"، امام قرطبی کی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" اور دیگر متداول کتب تفاسیر سے بھی اس طرح کا مفہوم ملتا ہے درس کے دوران جب آیت آئی تو مولانا نے یہ سارے ترجمے دکھائے۔ پھر فرمایا یہ ترجمے مفہوم کی پوری ترجمانی نہیں کرتے۔ مُذَبْذَبِیْنَ مشتق ہے ذبذبہ سے جس کے معنی ہیں خوب تیز دوڑنا اور مسلسل دوڑنا اس میں تیزی اور تسلسل دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔ ایک حماسی شاعر کہتا ہے:

خیال لام و سلسبیل و دونھا مسیرۃ شھر للبرید المذبذب

(ام السلسبیل کی خیالی تصور مجھ تک آ پہونچی حالانکہ وہ تیز اور مسلسل دوڑنے والے گھوڑے کی رفتار سے ایک ماہ کی مسافت پر رہتی ہے)

اس طرح آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ منافقین بدحواسی کے ساتھ فوج ایمان و فوج کفر کے کیمپ میں آتے جاتے ہیں۔ ابھی وہ یہاں، ہو بچے بھی نہیں ہوتے ہیں جب تک ہم محسوس کرتے ہیں کہ اہل ایمان کا پلہ بھاری ہے وہ وہاں سے لوٹ پڑتے ہیں اور بے تحاشا اہل ایمان کے کیمپ کی طرف دوڑتے ہیں ابھی وہ راستے ہی میں ہوتے ہیں جب تک ان کے کانوں میں آواز آتی ہے کہ ہوا کا رخ بدل گیا ہے وہ وہیں سے پلٹ پڑتے ہیں اور دوڑ کر کفر کے کیمپ میں شامل ہو جانا چاہتے ہیں ان کی یہ مستقل ہمہ گیریت۔ حتی کہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ادھر کے رہتے ہیں نہ ادھر کے لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ۔

پھر یہاں مجہول کا صیغہ استعمال ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مسلسل دوڑتے ہیں بلکہ وہ دوڑنے پر مجبور ہیں اگر وہ دوڑتے دوڑتے تھک جائیں تو کہیں تھک کر بیٹھ بھی سکتے ہیں کچھ دیر کے لئے ٹھہر کر دم بھی لے سکتے ہیں لیکن یہاں بیٹھنے کا کیا سوال؟ ان کی تو دوڑنے کی زنجیر کسی اور کے ہاتھ میں ہے وہ پھر دم لینے یا بیٹھنے کا کیا سوال؟ ان کو ہر دم دوڑتے ہی رہنا ہے، چاہے کتنا ہی تھک کر چور چور ہو جائیں۔ ہر اہل ذوق با آسانی محسوس کر سکتا ہے کہ مذبذبین کی اس تشریح نے معنی کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔ اور منافقین کی سراسیمگی و حیرانگی کا نقشہ کس طرح نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا۔ اس ترجمہ

[illegible]

ہیں تو اپنی ذاتی روح کھینچ کر رکھ دیتے۔ تفاسیر کے سلسلے میں بھی مولانا کی رائے بڑی جچی تلی ہوتی۔ وہ آیات و کلمات کی تاویل کے سلسلے میں مختلف تفاسیر کو سامنے رکھتے اور مختلف مفسرین کی رایوں پر گفتگو کرتے ہوئے جس کی رائے زیادہ قوی اور نظم کلام سے ہم آہنگ ہوتی، اس کو ترجیح دیتے۔ بسا اوقات مضبوط دلائل کی روشنی میں تمام مفسرین سے اختلاف کرتے ہوئے نئی تاویل بتاتے مگر اس میں بھی انداز بہت ہی عاجزانہ اور خاکسارانہ ہوتا۔ ذرا بھی ترفع اور تعلی کا شائبہ نہ ہوتا۔ نہ یہ گمان ہوتا کہ مولانا خود کو نمایاں کرنا اور اپنی قابلیت کا سکہ جمانا چاہتے ہیں۔ نہایت سنجیدہ، خلوص اور علمی انداز سے مختلف تفاسیر اور تاویلات پر نقد فرماتے ہوئے آخر میں اس انداز سے فرماتے "اور سوچنے کا ایک رخ یہ بھی ہو سکتا ہے" اور "یا اس انداز سے بھی تاویل کی جا سکتی ہے" یا "آیت کا اگر یہ مفہوم لیا جائے تو شاید زیادہ مناسب ہو"۔

وہ قرآن پاک کے صحیح معنوں میں لذت آشنا تھے۔ ان کا ذہن و دماغ قرآن پاک کے سانچے میں ڈھل کر رہ گیا تھا۔ ان کی نظروں میں اسی کا جلوہ سمایا رہتا۔ وہ جو کچھ دیکھتے اس کے آئینے میں دیکھتے اور جو کچھ پڑھتے اس کے آئینے میں پڑھتے۔ وہ سبع معلقات یا دوسرے عربی قصائد پڑھاتے تو یہ نہ محسوس ہوتا کہ حسن و عشق یا سیر و شکار یا حرب و ضرب کی کوئی داستان پڑھی جا رہی ہے جیسا کہ عام طور سے ان کتابوں کو پڑھاتے وقت محسوس ہوتا ہے۔ مولانا کے ہاں ایسا محسوس ہوتا گویا قرآن پاک کے اسالیب پڑھے جا رہے ہیں، لغۃ القرآن کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش ہو رہی ہے، وہ اشعار پڑھاتے وقت قرآنی نظائر کی طرف توجہ دلاتے جاتے۔ وہ قرآن پاک کے درس میں الفاظ کے سرسری معانی بتا کر نہ گزر جاتے بلکہ ان کا مادہ اور ان کی اصل بتاتے۔ ان کی پوری لغوی تحقیق کراتے۔ انہوں نے اپنے زمانے میں کھلاڑی طلبہ کے اندر بھی مطالعہ کا ذوق پیدا کر دیا۔ ان کے ہاں لسان العرب اتنی کثرت سے دیکھی جاتی کہ وہ کچھ ہی عرصے میں بوسیدہ ہو کر رہ گئی حالانکہ وہ بہت ہی نفیس کاغذ پر چھپی ہوئی تھی۔

امام فراہی کی بہت سی کتابیں نا تمام رہ گئیں جب وہ آخری مرتبہ بیمار پڑے اور

یہ احساس ہو گیا کہ پیمانۂ اجل لبریز ہو چکا ہے زندگی کا چراغ اب جلد ہی گل ہو جانے والا ہے تو انہوں نے اپنے تمام مسودات مولانا کے حوالے کر دیئے جو سرتاسر قرآنی علوم سے متعلق تھے اور فرمایا:

"یہ تمام نا تمام مباحث مکمل کر ڈالو"

یہ گویا مولانا پر اپنے مکمل اعتماد کا اظہار تھا۔ اس احساس کا اظہار تھا کہ ان مباحث یا مسودات کی تکمیل اب تمہارے ہی ہاتھوں ہو سکتی ہے۔ مولانا پر امام فراہیؒ کا یہ اعتماد مولانا کے تبحر فی القرآن کی ایسی روشن دلیل ہے کہ پھر کسی اور دلیل کی احتیاج نہیں رہ جاتی۔

امام فراہی نے اپنے نا تمام مسودات مولانا کے حوالے کر دیئے مگر افسوس مولانا اپنے محسن و مربی استاد کے ادب و احترام میں ان کے مسودات پر قلم رکھنے کی جرأت نہ کر سکے جس کی وجہ سے قرآنی علوم و معارف کے بہت سے اہم گوشے ہمارے سامنے نہ آ سکے۔ کاش مولانا ان تمام مباحث کو مکمل کر ڈالتے کہ اس سے اس راہ کی بہت سی مشکلات آسان ہو جاتیں اور فہم قرآن کے سلسلے میں امام فراہی کی گراں قدر تحقیقات سے ہم پوری طرح مستفید ہو سکتے۔ مولانا کے تلمیذ رشید مولانا بدر الدین اصلاحی نے ایک بار ان سے سوال بھی کیا کہ امام فراہی کی جب خواہش تھی تو آپ نے یہ کام کیوں نہ کر ڈالا؟ مولانا نے بڑی منکسر مزاجی کے ساتھ جواب دیا "ریشم میں ٹاٹ کا پیوند لگانے سے کیا فائدہ؟ امام فراہیؒ کے مسودات کی تکمیل امام فراہیؒ کا ہی قلم کر سکتا تھا۔"

ایک بار کا قصہ ہے جبکہ امام فراہیؒ ابھی حیات تھے انھوں نے مولانا اختر احسن صاحب اور ان کے جاں نثار ساتھی مولانا امین احسن صاحب کو قرآن پاک سے متعلق ایک موضوع دیا کہ اس پر وہ مقالے لکھ کر پیش کریں۔ دونوں شاگردوں نے اپنا اپنا مقالہ پیش کیا۔ امام فراہیؒ نے دونوں مقالے پسند فرمائے البتہ مولانا اختر احسن صاحب کا مقالہ دیکھ کر زیادہ خوش ہوئے اور فرمایا:

"جو لوگ خاموش رہتے ہیں سوچتے زیادہ ہیں"

خود مولانا امین احسن صاحب جو وقت کے ایک عظیم مفسر قرآن ہیں اور جنہوں نے

...بر قرآن" جیسی گراں قدر تفسیر لکھ کر ہمارے دینی و تحقیقی لٹریچر میں بیش بہا اضافہ کیا ہے
...اگرچہ مولانا کے بے تکلف دوست اور درجے کے ساتھی تھے مگر ہمیشہ قرآن فہمی میں مولانا
...پنے سے بلند تر ہی سمجھتے رہے۔ وہ جب تک مدرسۃ الاصلاح پر رہے قرآن پاک سے متعلق
...ئی بھی مقالہ یا رسالہ لکھتے تو اس کا مسودہ مولانا کو ضرور دکھا لیتے وہ مدرسۃ الاصلاح کے
...مانہ قیام میں مدتوں "الاصلاح" نکالتے رہے جو مختلف پہلوؤں سے اردو رسالوں میں
...قت کا سب سے زیادہ معیاری رسالہ تھا۔ اور زیادہ تر قرآنی علوم پر مشتمل ہوتا تھا۔ مولانا
...س کی ترتیب میں پورے طور سے شریک رہتے۔

مولانا کی وفات پر مولانا امین احسن صاحب کا بھی ایک پُر درد تعزیتی خط مدرسے پر
آیا تھا افسوس ہے کہ وہ خط محفوظ نہ رہ سکا کہیں ضائع ہو گیا۔ اس میں مولانا نے پوری فراخ
دلی کے ساتھ اعتراف کیا تھا کہ مولانا اختر احسن صاحب تھے تو میرے دوست اور ساتھی
لیکن میں انہیں استاذ اور مربی سے کم نہ سمجھتا تھا۔ وہ بلاشبہ فہم قرآن میں مجھ سے بہت آگے
تھے۔ اس وقت تنہا وہی ایک شخص تھے جن کے "ہاں" اور "نہیں" پر مجھے پورا اعتماد ہوتا۔ وہ
جس بات پر ہاں کہہ دیتے مجھے اطمینان ہو جاتا کہ وہ بات صحیح ہے اور جس بات پر نہیں کہہ دیتے
اس کے سلسلے میں میں تردد میں پڑ جاتا۔

مولانا قرآن پاک کے کیسے ادا شناس تھے اور اس کے اسالیب بیان کی کتنی گہری نظر
تھی اس کا اندازہ کرنے کے لئے ہم یہاں صرف ایک واقعہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں
جس زمانہ میں مولانا امین احسن صاحب مدرسۃ الاصلاح سے وابستہ تھے اس زمانے کا
واقعہ ہے۔ ایک روز مولانا امین احسن صاحب مدرسۃ الاصلاح کے عربی کتب خانے میں
داخل ہوئے اور گھنٹوں مختلف تفاسیر کی ورق گردانی کرتے رہے۔ وہ باری باری مختلف
تفاسیر ہاتھ میں لیتے کچھ دیر دیکھتے پھر مایوس ہو کر رکھ دیتے۔ وہ دیر تک یوں ہی پریشان
رہے۔ مولانا کچھ فاصلے پر بیٹھے یہ منظر دیکھتے رہے۔ جب مولانا امین احسن صاحب کو کسی
تفسیر سے تشفی نہ ہوئی تو وہ مولانا کے قریب آ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے۔
ہمارے مفسرین نے تفسیریں لکھیں مگر زیادہ تر غیر متعلق بحثوں ہی میں الجھ گئے

جو اصل گرہیں کھولنے کی تھیں نہیں کھولیں۔

مولانا: آپ کو اشکال کیا ہے؟ کون سی گرہ ہے جو نہیں کھل رہی ہے۔

مولانا امین احسن: صافات میں آیا ہے "اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ، قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ"۔ یہاں "عن الیمین" کا کیا مطلب ہے؟

مولانا: مفسرین اس کا کیا مفہوم لکھتے ہیں؟

مولانا امین احسن: کچھ لوگ کہتے ہیں "یمین" یہاں قوت و طاقت کے مفہوم میں ہے مطلب یہ ہے کہ ہم کمزور تھے اور تم ہم پر غالب تھے اس لئے تم اپنے زور سے ہمیں گمراہی کی طرف کھینچ لے گئے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں یہ خیر اور بھلائی کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے خیر خواہ بن کر ہمیں دھوکہ دیا۔ تم ہمیں یقین دلاتے رہے کہ جس راہ پر تم ہمیں چلا رہے ہو وہ حق اور بھلائی کی راہ ہے اس لئے ہم تمہارے فریب میں آ گئے۔

اور کچھ لوگ کہتے ہیں یہاں "یمین" قسم کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ تم نے قسمیں کھا کھا کر ہمیں اطمینان دلایا تھا کہ حق وہی ہے جو تم پیش کر رہے ہو۔

مفسرین عموماً ان ہی تینوں مفہومات میں سے کوئی مفہوم یا انہیں سے ملتا جلتا کوئی مفہوم لیتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ ان تینوں مفہومات کو کلام کا تیور قبول نہیں کرتا۔ اسلوبِ کلام ان تینوں میں سے کسی ایک کی بھی گنجائش نہیں رکھتا۔ جو لوگ عربی ادب کا صحیح مذاق رکھتے ہیں وہ بخوبی اس بات کو محسوس کریں گے۔ پھر مولانا امین احسن صاحب جو امام فراہی کے تلمیذ رشید تھے اور عربی ادب کا بہت زیادہ ذوق رکھتے تھے، انہیں ان تاویلات سے کیونکر اطمینان ہوتا۔ بہر کیف انہوں نے مولانا کے سامنے یہ اشکال رکھا۔ تو مولانا نے چٹکی بجاتے اس کو حل کر دیا اور وہ مطمئن ہو گئے۔ مولانا نے فرمایا:

اصل میں یہاں پر جہنمی آپس میں جھگڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھیرا رہے ہیں جھگڑے میں ہوتا ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کی بات کاٹ دیتا ہے ایک نے ابھی آدھی بات ہی کہی ہوتی ہے کہ دوسرا بول پڑتا ہے یہاں بھی صورت حال یہی ہے۔ عوام

اپنے لیڈروں اور نیتاؤں سے کہنا چاہتے ہیں:

إنكم كنتم تأتوننا عن اليمين وعن الشمال ومن بين أيدينا ومن خلفنا

(بلاشبہ تم آتے تھے ہمارے دائیں سے بائیں سے ہمارے سامنے اور پیچھے سے) جیسا کہ ان لیڈروں اور نیتاؤں کے سردار ابلیس نے روز ازل اللہ تعالیٰ سے کہا تھا (لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ) (میں حملہ آور ہوں گا ان پر ان کے سامنے سے، ان کے پیچھے سے ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے اور ان کے بائیں سے اور تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائے گا) لیکن ابھی پیروؤں نے آدھی ہی بات کہی إنكم كنتم تأتوننا عن اليمين، جبکہ لیڈروں نے جھٹ سے ان کی بات کاٹ دی تھی بل لم تكونوا مؤمنين (انہوں نے کہا بلکہ تم تو ایمان لانے والے تھے ہی نہیں)

یہ اسلوب کلام عربی ہی کیا، ہر زبان میں بکثرت ملتا ہے۔ اہل ذوق بآسانی محسوس کر سکتے ہیں کہ آیت کا یہ مفہوم لینے میں کلام کی بلاغت کہاں سے کہاں پہونچ جاتی ہے اور اہل دوزخ کی بے مہریوں اور بے نتیجہ حجت بازیوں کا نقشہ کس طرح نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ بہرکیف مولانا امین احسن صاحب نے آیت کی یہ تاویل سنی تو فرطِ مسرت سے جھومنے لگے اور فرمایا:

"حیرت ہے یہ کس قدر فطری اور عام فہم انداز بیان ہے جو ہماری اور ہمارے اکابر مفسرین کی گرفت میں نہ آسکا۔"

اس طرح کے کتنے ہی واقعات ہیں جن سے مولینا کے غیر معمولی قرآن فہمی، دقیقہ رسی اور نکتہ آفرینی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مگر طوالت کے اندیشے سے ہم انہیں نظر انداز کرتے ہیں۔

تحریک اقامت دین سے وابستگی

مولانا صحیح معنوں میں ایک عالم قرآن تھے۔ اقبال کے الفاظ میں وہ کوئی کتاب خواں نہیں بلکہ "صاحب کتاب" تھے انھوں نے قرآن پاک سے جس طرح علمی و فکری

رہنمائی حاصل کی تھی ان کے علوم و افکار کا سرچشمہ بھی وہی تھا اور کردار و عمل کا آئینہ بھی وہی تھا۔ وہ اس سمندر میں غواصی اس لئے نہیں کرتے تھے کہ اس کی تابدار موتیوں سے اپنی دوکان سجائیں اور لوگوں سے داد و تحسین حاصل کریں۔ ان کی تو بس یہ آرزو ہوتی کہ ان موتیوں کو اپنی قبائے زندگی میں ٹانک لیں اور رب کے پسندیدہ و مقرب بندے بن جائیں پھر چونکہ وہ ایک سچے عالم قرآن تھے اس لئے جہاں ان کی یہ خواہش ہوتی کہ وہ اس کتاب مقدس کا سچا نمونہ اور اس کی چلتی پھرتی تصویر بن جائیں وہیں فطری طور پر یہ تمنا بھی ہوتی کہ اس کتاب ہدایت کو زیادہ سے زیادہ عام کریں اور سارے آفاق میں اس کا ڈنکا بجا دیں۔ جس کتاب کی برکتوں سے وہ خود بہرہ مند ہوئے ہیں اس سے دوسروں کو محروم نہ رہنے دیں کہ ایک بندۂ مومن کے احساسات یہی ہوا کرتے ہیں۔ پھر جس کتاب سے انہیں عشق تھا، خود اس کتاب کا بھی یہی مطالبہ تھا۔ وہ کتاب صرف نیک بننے اور نیکی کرنے کا ہی مطالبہ نہیں کرتی، بلکہ نیکی کو عام کرنے اور دوسروں کو نیک بنانے کا بھی مطالبہ کرتی ہے۔ وہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی تقاضہ کرتی ہے وہ دین کو اپنانے اور دین کو غالب کرنے کی بھی ترغیب دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا کبھی گوشہ نشینی کی زندگی پر قناعت نہ کر سکے۔ وہ پورے جوش اور ولولے کے ساتھ تحریک اسلامی یا تحریک اقامت دین سے وابستہ ہوئے اور زندگی کی آخری سانس تک وابستہ رہے۔

تحریک سے جذباتی لگاؤ:

مولانا نے چونکہ پورے خلوص، عزم اور حسن نیت کے ساتھ تحریک میں حصہ لیا تھا، ایک ناگزیر دینی ضرورت اور قرآن و سنت کا اہم مطالبہ سمجھ کر اسے اپنایا تھا اس لئے انہیں اس سے جذباتی لگاؤ تھا۔ اور یہ جذباتی لگاؤ آخر دم تک قائم رہا۔ وہ کبھی سرد مہری اور بے حوصلگی کا شکار نہیں ہوئے وہ چونکہ تحریک کو ایک اہم دینی ضرورت سمجھتے تھے اس لئے اس سے علیحدگی یا بیزاری کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اور نہ دوسروں کے لیے اس پسند کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا امین احسن صاحب

تحریک سے علیحدہ ہوئے تو وہ کافی متاثر تھے قطع نظر اس سے کہ مولانا امین احسن صاحب کو امیر جماعت سے جو اختلاف تھا وہ ان کے نزدیک صحیح تھا یا غلط تھا، وہ اس کے حق میں کبھی نہ تھے کہ مولانا تحریک سے الگ ہو جائیں۔ اجتماعی امور اور اجتماعی مصالح میں باہم اختلاف رائے ہونا ایک فطری بات ہے لہٰذا اس اختلاف کو اتنی اہمیت دینا کہ اس کی وجہ سے تحریک سے علیحدگی کی نوبت آجائے یہ مولانا کے نزدیک صحیح نہیں تھا۔ پھر علیحدگی کے بعد مولانا امین احسن صاحب نے تحریک کے خلاف جب تنقیدی کام لکھنے شروع کئے تو اس سے مولانا کو اور تکلیف ہوئی چنانچہ مولانا نے مولوی ممتاز صاحب اصلاحی کے ذریعہ مولانا امین احسن کو نہایت دل سوزی کے ساتھ یہ پیغام بھجوایا کہ اگر آپ نے خوب سوچ سمجھ کر تحریک سے علیحدگی کا ہی فیصلہ کر لیا ہے تو اپنے طور پر کوئی اور تعمیری کام کیجئے، خواہ مخواہ تحریک کے تعاقب میں اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کیجئے۔

مولانا تحریک اسلامی ہند کی مجلس شوریٰ کے ایک اہم رکن تھے اور اس حیثیت سے وہ تحریک کے مسائل پر بڑی سنجیدگی سے غور کرتے اور اس کے فروغ و استحکام کے لئے برابر فکرمند رہتے وہ ان چیدہ شخصیات میں سے تھے جو تحریک کا ذہن و دماغ سمجھی جاتیں۔ وہ تحریک کے ہر مسئلے پر سنجیدگی سے غور فرماتے اور ہر معاملے میں بڑی جچی تلی رائے رکھتے۔

اقامت دین کی اصطلاح

تحریک کے دستور میں پہلے تحریک اسلامی کا نصب العین "حکومت الٰہیہ" کے قیام کے لئے جدوجہد بتایا گیا تھا جس پر کوتاہ نظر دوستوں نے بڑی لے دے مچائی اور تحریک کو اوچھے اور بے ہنگم اعتراضات کا نشانہ بنایا۔ مولانا نے اس معاملہ پر بڑی سنجیدگی سے غور فرمایا پھر دستور کی عبارت بدلوادی۔ یعنی حکومت الٰہیہ کے قیام کے بجائے "اقامت دین" کر دیا گیا۔ مولانا نے فرمایا یہ ایک قرآنی اصطلاح ہے اس لئے تحریک اسلامی کے کارکنوں کو اپنے نصب العین کی تعبیر و توضیح کے لئے یہی اصطلاح استعمال کرنی چاہئے کہ اس سے معترضین کے لئے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہ جائے گی، دوسرے جو بات ہم کہنی چاہتے ہیں وہی بات اور زیادہ جامعیت کے ساتھ اس لفظ سے ادا ہوگی یہ ایک نہایت مناسب اور برمحل اصطلاح تھی جس کا تحریک اسلامی کے تمام ہی ذمہ داروں نے خیر مقدم کیا اور خوشی خوشی اسے قبول کر لیا۔ پھر بانی تحریک کو اس کا علم ہوا تو وہ بھی بےحد خوش ہوئے اور اس ترمیم کو پسند فرمایا۔

جماعت ہی کا لٹریچر کیوں؟

اسی طرح ایک بار تحریک کے کچھ چوٹی کے ذمہ دار اکٹھا تھے ارکان ہی میں سے ایک صاحب نے سوال کیا لوگ ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ ہم لوگ بہت متعصب ہیں، صرف اپنا ہی لٹریچر دوسروں کو پڑھواتے ہیں اس کا کیا جواب ہوگا؟ لوگوں کو کیسے مطمئن کیا جائے؟ اس پر کسی ذمہ دار نے جواب دیا کہ لوگوں کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے ہم اپنا لٹریچر بھی پڑھاتے ہیں اور دوسری اچھی دینی کتابیں بھی پڑھاتے ہیں ہم اس معاملہ میں ذرا بھی تعصب کو راہ نہیں دیتے اور نہ اسے پسند کرتے ہیں۔

مولانا اگرچہ بہت ہی کم سخن انسان تھے وہ بولتے کم اور سنتے زیادہ تھے مگر جہاں موقع آجاتا وہاں بولنے سے چوکتے بھی نہ تھے ان صاحب نے اپنی بات پوری کر لی تو مولانا نے فرمایا: غالباً ابھی بات واضح نہیں ہوئی۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہم اپنا ہی لٹریچر تقسیم کرتے اور اسی کو پڑھاتے ہیں مگر اس کا سبب تعصب نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایک تحریک کے علم بردار ہیں ہماری ایک سوچی سمجھی فکر اور ایک متعین پروگرام ہے۔ اسی پروگرام کے تحت ہم اپنا ایک ارگن نکالتے اور ایسا لٹریچر تیار کرتے ہیں جو اس فکر کی صحیح ترجمانی کر سکے۔ جب ہم ایک فکر کو لے کر چل رہے ہیں اور اسی کے لحاظ سے لٹریچر تیار کر رہے ہیں تو اپنا یہ لٹریچر پڑھوائیں گے یا ایسی کتابیں پڑھوائیں گے جو یا تو ہماری فکر سے ٹکراتی ہیں یا پورے طور سے اس سے میل نہیں کھاتیں؟

مولانا کا یہ جواب اس قدر واضح دو ٹوک اور حقیقت پسندانہ تھا کہ اس کو سب لوگوں نے پسند کیا ورنہ اس سے پہلے لوگوں کو اس سوال کا جواب دینے میں بڑی توجیہات کرنی پڑتیں۔

مولانا پورے ذوق و شوق کے ساتھ تحریک کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے۔ پوری سنجیدگی سے اس کے مسائل پر غور کرتے اجتماعات میں پابندی سے شرکت کرتے۔ ان کی تنخواہ بہت مختصر تھی مگر اپنی حیثیت کے مطابق وہ تحریک کی اعانت بھی کرتے وہ اگر کسی مجبوری کے تحت کسی اجتماع میں شریک نہ ہو پاتے تو یا تو دونوں طرف کا کرایہ جماعت کے بیت المال میں جمع کرا دیتے یا کسی رفیق جماعت کے پاس اجتماع میں جانے کے لئے کرایہ نہ ہوتا تو اسے دونوں طرف کا کرایہ دے دیتے۔

حیدرآباد میں جماعت کا پہلا کل ہند اجتماع ہوا تو اس میں جنوبی ہند کے تمام ارکان اور شمالی ہند کے امراء مقامی کے لئے شرکت لازمی قرار دی گئی۔ مولانا بھی چونکہ مقامی امیر اور مجلس شوریٰ کے رکن تھے اس لئے

ان کو بھی اس میں شرکت کرنی تھی۔ مگر کرایہ اچھا خاصا تھا اس لئے کم از کم ساٹھ ستر روپے درکار تھے جو مولانا کی حیثیت سے بہت زیادہ تھے۔ اس لئے مقامی جماعت نے بیت المال سے کرایہ دے کر مولانا کو اجتماع میں شرکت کے لئے روانہ کیا۔ بیت المال کے کرایہ سے مولانا جانے کو تو چلے گئے مگر واپس آتے ہی بیت المال کے انچارج سے فرمایا: کرایے کے وہ ستر روپے میرے نام قرض لکھ لئے جائیں، میں ہر ماہ ... کے حساب سے قسط وار ادا کروں گا۔ رفتہ رفتہ یہ بات ناظم ضلع تک پہونچی تو انھوں نے اسے قرض تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ انھوں نے کہا: آپ نے خود تو مانگا نہیں تھا وہ تو مقامی جماعت نے آپ کو بھیجا تھا، لہٰذا وہ قرض کب ہوا؟ مولانا نے یہ باتیں سنیں تو حسب عادت خاموش رہے۔ انھوں نے اس پر اصرار نہیں کیا۔ وہ کسی بات پر بلاوجہ اصرار کرنے کے عادی نہ تھے۔ البتہ انھوں نے وہی کام ایک خوبصورت انداز سے کر ڈالا۔ وہ اعانت بیت المال سے ہر ماہ پانچ پانچ روپئے کی رسید کٹواتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ پوری رقم ادا کر ڈالی۔ انھوں نے تحریک سے ایک پیسے کا فائدہ اٹھانا بھی گوارہ نہ کیا۔ وہ ہمیشہ تحریک کو دیتے ہی رہے۔ کبھی اس سے کچھ لینے کے آرزو مند نہ ہوئے۔ وہ تحریک کے بہت ہی مخلص اور بے لوث کارکن تھے۔ انھیں تحریک سے سچا قلبی لگاؤ تھا۔

سمع وطاعت اور احترام نظم

جماعتی زندگی میں سب سے اہم چیز امیر کی اطاعت اور نظم جماعت کا احترام ہے۔ مولانا اس سلسلہ میں بھی ایک نمونے کے انسان تھے۔ وہ ہر نظم جماعت کی سختی سے پابندی کرتے اور امیر کے کسی حکم میں چون وچرا نہ کرتے۔ اس کے برعکس وہ ہمیشہ امیر کا احترام کرتے کوئی بات مزاج کے خلاف ہوتی اس کو بھی انگیز کر جاتے۔ کئی سال کی بات ہے مولانا ابھی حیات تھے اور ملک حبیب اللہ صاحب بستوی مشرقی یوپی کے امیر حلقہ تھے غالباً دو ایک بار ایسا ہوا کہ وہ مدرسۃ الاصلاح پر آئے پھر کچھ دیر قیام کرکے سرائے میر چلے گئے مولانا کو ان کی آمد کی اطلاع نہ ہو سکی اس لئے ان سے ملاقات نہ کرسکے۔ ملک حبیب اللہ صاحب کو اس کا شدت سے احساس ہوا۔ انھوں نے مولانا کو ایک عتاب آمیز رقعہ لکھا جس میں ملاقات نہ کرنے پر مولانا سے بازپرس کی۔ انھوں نے کچھ اس کی بات لکھی ”میں کئی بار مدرسہ پر آیا اور ٹھہر کر چلا گیا مگر آپ سے ملاقات نہ ہو سکی پھر میں کیسے یقین کروں کہ آپ کو جماعت سے کوئی تعلق خاطر ہے“۔ ملک صاحب نے کچھ اسی انداز کی تحریر مولانا کے نام بھیجی۔ دونوں کے رتبہ و مقام کے لحاظ سے تحریر بہت ضعیف تھی استاذ، زبردست ادیب اور مفسر قرآن کے آگے ملک صاحب

کی حیثیت ہی کیا تھی مگر مولانا کی علمی و اخلاقی عظمت وہاں بھی ان سے جدا نہ ہوئی۔ اس موقع پر بھی وہ بڑے ہی انکسار سے ... انھیں ذرا بھی غصہ نہ آیا بڑی خاکساری کے ساتھ معذرت خواہانہ انداز میں کچھ اس انداز کی تحریر ملک صاحب کو لکھ بھیجی: ”یہ محض اتفاق کی بات ہے کہ آپ مدرسہ پر تشریف لائے اور میں ملاقات نہ کرسکا۔ ایسا اس وجہ سے ہوا کہ مجھے آپ کی آمد کی اطلاع نہ ہو سکی، آئندہ سے ان شاء اللہ ایسی کوتاہی نہ ہوگی۔“ خود مولانا حبیب اللہ صاحب کا بیان ہے کہ اس کے بعد سے مولانا نے ملاقات کا اتنا اہتمام کیا کہ حیرت ہوتی تھی چاہے کسی کو اطلاع ہو یا نہ ہو ان کو اطلاع ہو جاتی تھی اور وہ دوسروں سے پہلے ملاقات کے لئے آ جایا کرتے تھے۔ سچ ہے بڑے لوگ ہر جگہ بڑے ہی نظر آتے ہیں۔ ان کی بڑائی کہیں ان سے جدا نہیں ہوتی۔ ملک صاحب بھی مولانا کی اس عزت افزائی سے بے حد متاثر ہوئے۔ اب بھی وہ اس واقعہ کو یاد کرکے متاثر ہو جایا کرتے ہیں۔

مولانا اختر احسن کی زندگی میں مولانا ابواللیث صاحب امیر جماعت تھے۔ مولانا ابواللیث صاحب مولانا اختر احسن صاحب کے عزیز شاگرد تھے لیکن مولانا کا اپنے شاگرد کے سلسلے میں جو طرز عمل ہوتا اس کے پیش نظر کوئی یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ امیر جماعت مولانا مرحوم کے شاگرد ہیں۔ مولانا مرحوم ہمیشہ ان کے ساتھ محبت و احترام سے پیش آتے۔ ان کے بنائے ہوئے نظم کی پوری پوری پابندی کرتے۔ جماعت کے ضابطے ہوتے ان کی تعمیل میں ہمیشہ سب سے پیش پیش رہتے۔ ایک مامور پر کسی امیر کے جو حقوق ہوتے ہیں مولانا وہ سارے حقوق اپنے شاگرد امیر کے لئے تسلیم کرتے۔ ابھی ۷۶ء کی بات ہے مولانا ابواللیث صاحب ... آئی آر کے تحت اعظم گڑھ جیل میں تھے وہاں مولانا کے سامنے راقم الحروف نے مولانا اختر احسن صاحب کا ذکر کیا اس وقت مجھ کو محسوس ہوا جیسے مولانا کے ذہن میں پچھلے دور کی پچھلی تمام یادیں تازہ ہو گئیں مولانا نے بڑے تشکرانہ لہجے میں فرمایا:

”مولانا اختر احسن صاحب بڑے عظیم انسان تھے جس کو کم ہی لوگوں نے محسوس کیا۔ ان کی زندگی بڑی قابلِ رشک تھی ان سے مجھ کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ دنیا میں تو وہ یونہی چھپے چھپے دبے دبے رہے مگر ... کہ وہ اپنے رب سے وہاں سربلند ہوں گے۔ دنیا میں جتنے ہی زیادہ وہ گمنام رہے آخرت میں اتنے ہی شاد کام ہوں گے۔“

مولانا ایک مدت تک تحریک کی خدمت کرتے رہے۔ ایک عرصہ تک خلقت کو فیض پہنچاتے رہے دریائے علم سے لوگوں کو سیراب کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ماہ ربیع الاول میں بیمار ہوئے۔ بیماری کا

[illegible] ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۵ء بروز پنجشنبہ بعد طلوع فجر مولانا نے ایک
ہچکی لی ہوا اور پھر ہمیشہ [illegible] کا ٹھیک وہی وقت تھا جس وقت مولانا
کچھ پانی پیا پھر اپنے رب سے جا ملے۔ [illegible] تھے۔ [illegible] کہنا چاہیے
رب کے قدموں میں سر ڈال کر اس سے دعا و مناجات میں مصروف رہا کرتے تھے

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

WITH THE "SOLID" BACKGROUND
OF CROWN'S TECHNOLOGICAL EXCELLENCE
BACKED BY
SPACE-AGE TECHNOLOGY OF JAPAN
CROWN
Solid State TVs
-perform all other solid state tvs.

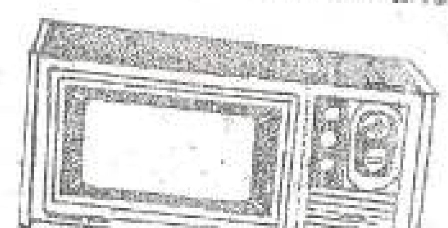

...orised Dealer
National Brothers
...her Bazar
...LIGARH
...ONE 3410

CROWN
INDIA'S LARGEST SELLING TV

وہ جس کے سوزِ نفس سے بجھے [illegible] جلے

[illegible]

وہ جس کے سوز [illegible]
[illegible]

سلیم الدین احمد

مولانا انیس الدین احمدؒ

[illegible]

والدین کے ساتھ اولاد کا جو فطری اور جذباتی تعلق ہوتا ہے اس کا اظہار الفاظ میں تقریباً ناممکن ہے۔ ان کی شفقت و محبت، ان کی قربانیاں اور ان کے پیار کی چاشنی ہر اس شخص کا سرمایہ حیات ہے جسے خدا نے اس عظیم نعمت سے نوازا ہوتا ہے اور جس کی حلاوت وہ زندگی کی آخری سانس تک محسوس کرتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے بھی اس نعمت سے نوازا اگرچہ یہ میری بڑی بدنصیبی ہے کہ ان کی صحبت سے اس حد تک فیضیاب نہ ہو سکا جس حد تک اور دل کھول کر ان سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا ہے۔

والد صاحب کے کاندھے پر گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ ان کے میٹرک پاس کرنے کے بعد ہی سے آ پڑا تھا۔ چنانچہ انہیں گریجویشن کرنے میں کافی مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ٹیوشن اور تعلیمی وظائف کے ذریعہ انہوں نے کسی نہ کسی طرح بی۔ اے کا امتحان پاس کیا اور اس کے بعد انہیں ایک سرکاری ملازمت مل گئی۔ اس کے بعد سے تو گویا گھر کی ساری ذمہ داری مکمل طور پر انہیں پر آ گئی اور انہوں نے ماں باپ کی خدمت کو اپنا نصب العین بنا لیا۔ اسی دوران جماعت سے متاثر ہوگئے اور سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو کر [illegible] ہائی اسکول مظفرپور سے منسلک ہوگئے۔ جماعت سے قربت کے نتیجہ میں انہیں اپنے والد اور بڑے بھائی سے ناراضگی بھی مول لینی پڑی۔ لہٰذا مزید کشاکش سے بچنے کی خاطر انہیں اپنے آبائی گھر دربھنگہ سے ہم لوگوں کو لے کر مظفرپور منتقل ہونا پڑا۔ مظفرپور منتقل ہونے کے بعد پھر ہمارے دادا جان کی محبت رنگ لائی اور ان کی ناراضگی ختم ہوگئی۔ مظفرپور میں اسکول

اور جماعتی کاموں کے بعد جو وقت بچتا اس میں طلبا کو ٹیوشن پڑھاتے۔ انہیں ٹیوشن دینے والوں میں ہمارے دو تین ماموں بھی شامل تھے۔ گھر کے بزرگان سے بڑھتے [illegible]۔ جماعتی سرگرمیاں بڑھنے لگیں تو حکومت ان کے پیچھے پڑ گئی۔ بالآخر ان سے کہا گیا کہ آپ جماعت کو چھوڑ دیں یا تو پھر اسکول کو۔ ہمارے پاس اس خط کی ایک نقل موجود ہے جس میں والد صاحب نے حکومت کے سامنے جماعت کی دعوت پیش کی تھی جس میں اس بات کا اعلان کیا تھا کہ وہ جماعت کو کسی حال میں نہیں چھوڑ سکتے خواہ انہیں اسکول سے مستعفی ہونا کیوں نہ پڑے۔ بالآخر انہیں مستعفی پر مجبور کیا گیا۔ اسکول سے مستعفی ہونے کے بعد انہوں نے مظفرپور میں ایک مشہور ٹیلر ماسٹر کی خدمات حاصل کرکے ایک [illegible] ٹیلرنگ کی دکان کھول لی۔ دوکان بہت جلد شہر میں مقبول ہوگئی اور ایک بڑی حد تک معاشی مشکلات سے نکل کر پوری سرگرمی کے ساتھ جماعت کے کاموں میں لگ گئے۔ لیکن جب جماعت کو [illegible] ہوئی تو انہوں نے دوکان اٹھوادی اور اپنے سارے سامان کو اپنے ایک [illegible] کے حوالے کرکے ہم تمام لوگوں کو لے کر رانچی چلے آئے۔ یہاں انہیں [illegible] سے کام کرنا تھا۔ وہاں تین ماہ گذار کر مکان کی دشواریوں کے سبب انہیں جمشید پور جانا پڑا۔ جمشید پور ضلع سنگھ بھوم کا ایک قصبہ ہے جہاں مسلمانوں کی اچھی آبادی ہے۔ [illegible] لوگوں کو کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ یہاں کے [illegible] تعلیمی سطح بہت پست [illegible] یہاں آنے کے بعد ایک [illegible] لوگوں کے تعاون سے ایک عظیم درسگاہ کی بنیاد ڈالی۔ اس درسگاہ نے جمشید پور میں ان کے قیام کے دوران کافی ترقی حاصل کی اور [illegible] جماعت [illegible] ہم تمام بچوں نے ابتدائی تعلیم اسی درسگاہ میں حاصل کی۔

والد صاحب نے گھر کی تربیت اس طور پر کی کہ ہم لوگوں پر گاؤں کے رہن سہن اور زبان [illegible] جبکہ اس کے برعکس ان لوگوں پر ہمارے آداب و رسومات اور زبان کا اچھا اثر پڑا۔ پھر گاؤں والوں نے ہم لوگوں کو اور ہم لوگوں نے گاؤں والوں کو اس طرح قبول کیا کہ ہم لوگ بھی انہیں میں سے ایک فرد ہو گئے۔

والد صاحب گھر کے اندر ہم لوگوں کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیتے تھے ورنہ گاؤں کے اپنے ماحول میں ہماری identity کبھی برقرار نہ رہ پاتی اور نہ ہمارے خاندان پر گاؤں کبھی متاثر ہوتا۔ یوں تو زیادہ تر آپ جماعتی سرگرمیوں کی وجہ سے دورہ پر باہر رہتے لیکن جب بھی گھر رہنے کا اتفاق ہوتا گھر کا جائزہ لیتے اور کبھی نرمی و شفقت سے اور کبھی سختی اور غصہ سے اگر کسی اصلاح کی ضرورت ہوتی تو اصلاح کرتے۔ سردیوں کے موسم میں جب کڑاکے کی سردی پڑتی تو عموماً دورے کم ہو جاتے اور زیادہ تر وقت گھر اور گاؤں کی اصلاح پر لگاتے موقع نکال کر ہم لوگوں کو خود پڑھاتے اور کوشش کرتے کہ دورہ پر جانے سے پہلے ہر ایک حد پر پہنچا دیں تاکہ دورہ سے واپسی کے بعد پھر اس سے آگے پڑھا سکیں اس پڑھائی میں اسلامی علوم کے علاوہ علوم عصریہ بھی شامل ہوتے تھے۔

فجر کی نماز کے بعد روزانہ والدہ صاحبہ کے سامنے قرآن کی تلاوت کرتے اور انہیں ترجمہ اور تفسیر سے آشنا کرتے چنانچہ والدہ صاحبہ کو قرآن اور قرآن کی تفسیر سے انہوں نے اس قدر آشنا کر دیا تھا کہ پھر گھر میں والدہ صاحبہ کی سرکردگی میں خواتین کی ہفتہ واری اجتماع ہونے لگا۔ ہم لوگوں کو علوم عصریہ کے علاوہ عربی کی تعلیم دلانے کا اس قدر شوق تھا کہ بالآخر مجھے اور میرے بڑے بھائی جان (کلیم الدین صاحب) کو جھرپور میں بنیادی تعلیم دلانے کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ بھیج دیا جہاں سے ہم دونوں بھائیوں نے عالمیت کی سند حاصل کی۔ ایک بار کا واقعہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں نے نحو و صرف شروع ہی کیا تھا تو میں نے عربی میں ایک خط ابا جان کو لکھا تھا جس کو پڑھنے کے بعد وہ اس قدر خوش ہوئے کہ فوراً ہی مجھے ایک عمدہ سی گھڑی منگوا دی۔

والد صاحب گھر پر ہوتے تو گھر کے کاموں میں خود بھی حصہ لیتے اور ان کو دیکھ کر ہم لوگوں کو بھی اس میں شریک کرتے مثلاً گھر آنگن کی صفائی، نالیوں کی جھاڑ پونچھ، گھر آنگن میں پھل اور پھولوں کے درخت لگانا وغیرہ حتیٰ کہ گھر کی چارپائی بننے میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم سبھی بھائی چارپائی اور بید کی کرسی بننا جانتے ہیں کپڑوں کی سلائی اور کٹائی بھی ہم لوگوں نے ان سے سیکھی، چنانچہ بچوں کا کوٹ اور شیروانی تک

درزی کے یہاں سلنے نہیں بھیجا جاتا تھا۔ ایک بار کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ ہم لوگوں نے قربانی کے لئے ایک بکرا خریدا تھا اور اس کے لئے ایک قصاب بھی مقرر کر لیا تھا لیکن نماز کے بعد جب کافی وقت گذر گیا اور قصاب نہیں آیا تو ہم لوگ اس کی تلاش میں نکلے معلوم ہوا کہ وہ صاحب کسی دوسرے صاحب کے یہاں کام کر رہے ہیں اور ان کے آنے میں مزید اور دو گھنٹے لگیں گے اب کیا تھا والد صاحب نے کہا کہ آخر ہم لوگ کس کام کے ہیں اس قدر پڑھ لکھ لینے کے بعد ایک بکرا بھی ذبح نہیں کر سکتے چنانچہ فوراً یہ فیصلہ کیا گیا کہ اب اس کام کو خود سے کیا جائے۔ اتفاق سے اس وقت جناب رحمت اللہ صاحب (ذبحی) بھی موجود تھے انہوں نے بھی ہاں میں ہاں ملائی بہرحال میں اور رحمت اللہ صاحب نے مل کر بکرے کو پچھاڑا اور والد صاحب نے ذبح کیا اس سے آگے کا کام تو میں نے کبھی نہیں کیا تھا رحمت اللہ صاحب نے جوش میں کہا کہ سب ہو جائے گا چنانچہ انہوں نے کھال اتارنے کے لئے چھری چلائی لیکن بدقسمتی سے یہ چھری انہیں کے ہاتھ پر چل گئی نتیجتاً اکیلے مجھے والد صاحب اور رحمت اللہ صاحب کی رہنمائی میں کام انجام دینا پڑا اور سارا کام حسن و خوبی انجام پا گیا اگر والد صاحب نے ہمت نہ بڑھائی ہوتی اور اس میں خود دلچسپی نہ لیتے تو شاید زندگی بھر میں اس کام کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ہم لوگوں کا قیام جھرپور میں تقریباً ۱۰، ۱۲ سال رہا اس کے بعد جب جماعت نے والد صاحب کو پورے صوبہ بہار کا امیر مقرر کیا تو پھر انہیں ہم لوگوں کو لیکر پٹنہ آنا پڑا جس سال ہم لوگ پٹنہ آئے اسی سال ہمارے بھائی جان نے مگدھ یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا تھا۔ اب والد صاحب کی صحت بھی گرتی جا رہی تھی اس لئے بھائی جان کو خیال ہوا کہ وہ تعلیم چھوڑ کر معاش میں لگ جائیں اب مسئلہ یہ تھا کہ کون سی ملازمت کی جائے والد صاحب بالکل تیار نہ تھے چنانچہ انہوں نے پٹنہ سے ایک روزنامہ اخبار نکالنے کا منصوبہ بنایا جس کے لئے رجسٹریشن وغیرہ بھی حاصل کر لیا گیا تھا اور اشتہارات وغیرہ بھی چھپ چکے تھے ادھر والد صاحب نے بھائی جان کو روزنامہ دعوت میں جرنلزم کی ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے دہلی بھیج دیا تھا۔ ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد روزنامہ نکالنے کی فکر کر ہی رہے

سے کم جماعت کی لڑکی ... کی ضرورت ... کچھ اختلاف پیدا ہوا اور اسی کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس
[illegible] جماعت کا [illegible] ... اس حلقہ میں [illegible] ہو سکا چنانچہ والد صاحب نے
[illegible] کو منظوری کر دیا اور پھر انہوں نے ... اپنا ایک پریس قائم کیا جس میں [illegible]
کے کاموں کے علاوہ دینی تصانیف، بچوں کے لئے دینی اور اصلاحی لٹریچر شائع کریں چنانچہ بھائی
[illegible] نے اپنی [illegible] کوشش کی ... اسی دوران والد صاحب کی طبیعت ناساز
رہنے لگی اور اسی بنا پر ضرورت اس بات کی محسوس ہوئی کہ بھائی جان کی شادی کر دی جائے چنانچہ ایک
[illegible] ... ہو گئی لیکن ... منظور نہ تھا شادی سے ایک
[illegible] ... کو دل کا دورہ پڑا اچانک وہیں انتقال
ہو گیا ... اور ۳۰ ستمبر [illegible] کو ... اپنے خالق حقیقی سے جا ملے
[illegible] ... ۱۹۴۳ء ... سے پہلے ہمارے دادا
جان حکیم [illegible] الدین ... مرحوم ... منتقل ہو گئے اور وہیں انہوں نے کرایہ کے ایک مکان
میں اپنا مطب [illegible] ... میرے والد صاحب نے اپنی ملازمت
کے دوران ... ایک چھوٹا سا مکان ... کے مکانوں سے بنا ... مل
سکے زمین کی رجسٹری کے وقت جب ... رجسٹری کس نام سے ہو تو والد صاحب نے
ہمارے دادا جان کا نام لکھوایا ... وکیل صاحب ... انہوں نے بڑی مشکل سے بابا جان
کے نام کے ... والد صاحب کا نام بھی ... جس کو میرے والد صاحب پسند نہیں کرتے تھے
ہر حال جب ہم لوگ ... مظفر پور ... سے ... پر منتقل ہوئے تو ہمارے بڑے
والد صاحب نے والد صاحب کو خط لکھا ... پاکستان جانا چاہتے ہو ... اگر دکان کا بٹوارہ کر دو
تو بڑا اچھا ہو گا ... پاکستان چلے جاتے ... والد صاحب کو جنہوں
نے ... انہوں نے ... مکان ہی کو ...
... اور پھر وہاں منتقل ... والد صاحب اگر کبھی اس مکان کا تذکرہ ... میں تو
آپ ... ڈانٹ دیتے ... تمہیں دنیا کا مکان پسند ہے یا آخرت کا
اور یہ بات ختم ہو جاتی ان سب باتوں کا فطری طور پر ہم لوگوں پر بھی اثر پڑا اور ہم لوگوں

میں بھی ان ... کو اپنا ... اور کبھی اس کی ... شخص ... مجھے اچھی
طرح معلوم ہے کہ اس ... تک والد صاحب بھی جمع کرتے رہے۔
والد صاحب کو بڑا شوق تھا کہ ہمارے گھر میں ایک ڈاکٹر بھی ہو جو لوگوں کی خدمت
بھی کر سکے چنانچہ انہوں نے میرے چھوٹے بھائی معین الدین عارف کو اس کے لئے تیار کیا میڈیکل
میں ان کا داخلہ ان کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا لیکن آج جبکہ وہ ڈاکٹر ہو چکا ہے والد صاحب
موجود نہیں ہیں اگر وہ موجود ہوتے تو کتنا خوش ہوتے ... اب تو ہمارے یہاں
دو دو ڈاکٹر ہو گئے ہیں کیونکہ اب ہمارا سب سے چھوٹا بھائی جمال الدین احمد ... بھی
... شاید یہ سب ان کی بھلائی اور ... کا نتیجہ ہے خدا انہیں جوار
رحمت میں جگہ دے اور ہم لوگوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

بچوں کی گردن ٹٹولئے

بچوں یا بڑوں کی گردن کے آس پاس یا جسم کے کسی بھی حصہ
میں گانٹھوں کی موجودگی صحت کے لئے انتہائی مضر ہے
فارم تشخیص مفت منگانے کے لئے لکھیں۔
برائے امراض CHRONIC DISEASE کے لئے مشورہ فیس
صرف چالیس روپیہ ہے
نوٹ:- عام مریضوں اور گانٹھوں کے مریض سے کوئی فیس نہیں لی جاتی
فون نمبر ۳۸۰۲ PHONE 3802
Dr. N. H. FIRDAUSI HOMOEO PATH
UPPER KOT ALIGARH 202001

مولانا انیس الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ

اقبال احمد ۔ ایڈیٹر رفیق پٹنہ

مولانا انیس الدین احمدؒ سابق امیر حلقہ جماعت اسلامی بہار جامع انسانوں کی قدرو منزلت تھے ایک عظیم الشان شخصیت ۔ سانولا رنگ ، ابھری بڑی آنکھیں ابھرے ہوئے چہرے پر چمک کے داغ ایک آدمی کی طرح ایک موثر مقرر ، جس کی گواہ وہ تقریریں تھیں جو آج بھی سننے والوں کو یاد ہیں ، ایک مصنف جس کی گواہ دو کتابیں ” اسلام ہی کیوں “ اور ” اسلام منزل بہ منزل “ ایک کامیاب منتظم جس کی گواہ بہار کی اور جماعت کا تیسرا آل انڈیا اجتماع (دہلی) ، حافظ علم اور صاحب رائے تھے جس کی گواہ جماعت اسلامی بہار اور جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ ، جدید و قدیم علوم پر گہری نظر جس کے گواہ ان کی مجلسوں کے شرکاء ہیں جو ہمیشہ متاثر ہو کر آئے تھے ۔ انتہا درجہ کی قربانی ، حکمت ، استقامت اور خاکساری والے جس کی گواہ ان کی پوری تحریکی زندگی اور ان کی زندگی میں آنے والے لوگ ہیں ۔

مولانا انیس الدینؒ کا آبائی وطن شیر شاہ کی سرزمین سہسرام تھا ۔ ۱۹۳۴ء کے تاریخی زلزلہ کے بعد ہی ان کے والد حکیم علیم الدین احمد صوبائی دربھنگہ منتقل ہو گئے اور کرایے کی ایک دوکان میں اپنا مطب کھولا ۔ مولانا انیس الدینؒ کی پیدائش سہسرام ہی میں ۱۹۱۶ء میں ہوئی ۔ سہسرام ہائی اسکول میں تعلیم حاصل کی ۔ اور ۱۹۳۲ء میں میٹرک ۔ کا امتحان پاس کیا ، ان دنوں میٹرک کا امتحان پٹنہ یونیورسٹی کراتی تھی میٹرک پاس کرنے کے بعد پٹنہ کے اور یہیں تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کیا ۔ لیکن کچھ تاخیر کی وجہ سے پٹنہ یونیورسٹی میں داخلہ نہ ہو سکا اور انہیں مظفرپور ایل ایس کالج میں داخلہ لینا پڑا ۔ یہیں سے آئی ۔ اے ، بی اے کا امتحان پاس کیے ۔ ۱۹۳۹ء کے آس پاس بی ۔ اے کا رزلٹ نکلنے پر کئی نوکریوں کے مواقع تھے جن میں ایک ہوائی جہاز کے پائلٹ کے لئے بھی تھا ۔ ان کے گردن پر ایک گلٹی تھی جس کے لئے انہیں آپریشن کرانے کی صلاح دی گئی ، گھر کے لوگوں نے اس طرف جانے سے بچنے کے لئے

بجائے دوسری نوکری کو پسند کیا اور وہ تھی Central Excise کی نوکری ۔ مظفرپور کے قریب پوسا میں ان کی پہلی Posting ہوئی اور وہ ایک عرصے تک اس محکمہ میں انسپکٹر اور پھر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر کام کرتے رہے ۔ اسی دوران ان کے ایک رشتہ دار نے جو کسی تحقیق کے سلسلے میں مطالعہ کر رہے تھے مولانا مودودیؒ کا مطالعہ کیا اور کچھ کتابیں انیس الدینؒ کو مطالعہ کے لئے دیں ۔ اسے پڑھ کر انہوں نے اس تاثر کا اظہار کیا یہ شخص تو مشکل ترین گتھیوں کو نہایت آسانی سے حل کر دیتا ہے ۔ ان دنوں انیس الدین صاحب دوسرے بہت سارے نوجوانوں کی طرح مارکسزم سے بے حد متاثر تھے ۔ مولانا مودودیؒ کی سحر انگیز تحریروں ، حسین سید صاحب اور دوسرے تحریکی کارکنوں کی صحبت سے بہت جلد ان کے دل کی دنیا بدل گئی اور تحریک اسلامی کے بہت قریب آ گئے یہاں تک کہ ۱۹۴۹ء میں جماعت اسلامی کے رکن بن گئے ۔ تحریک اسلامی سے قربت نے پہلے ہی والد کو برگشتہ کر دیا تھا اور تحریک کی رکنیت کے بعد والد نے گھر چھوڑنے کا حکم دیا ۔ اس کے بعد ہی عابد صاحب کے مکان مظفرپور میں استاد کی خدمت سے کام کرنے لگے ۔ اس بیچ والد کی شدت اور ناراضگی ختم ہو گئی ۔

مظفرپور کے قیام کے دوران جب تحریکی سرگرمیاں کافی بڑھ گئیں تو محکمہ کی طرف سے ان سے ” Explanation “ طلب کیا گیا ۔ جس کا انہوں نے بہت ہی موثر جواب دیا ، اس میں انہوں نے جماعت اسلامی کی پوری دعوت پیش کر دی اور صاف صاف لکھ دیا کہ ملازمت سے ان کا اسلامی تعلق زیادہ مضبوط ہے ۔ اللہ پاک اس کے بعد ہی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا ۔

مظفرپور کے قیام کے دوران انہوں نے ایک اچھے ٹیلر ماسٹر کے تعاون سے ایک ٹیلرنگ کی دوکان کھولی ۔ جو زیادہ نہیں چلی ۔ اسی دوران جماعت اسلامی بہار کو منظم اور منظم کرنا تھا ، اور انہیں جنوبی بہار کے امیر کی حیثیت سے کام کرنے کو کہا گیا ۔ وہ مظفرپور سے چلے گئے اور طے کیا کہ ہزاری باغ کو جنوبی بہار کا مرکز بنایا جائے ۔ لیکن عدم سہولتوں کی وجہ سے وہاں مرکز نہ بن سکا ۔ کچھ دنوں بعد چترپور (ضلع ہزاری باغ) کو مرکز بنایا گیا ۔

کی دوری پر واقع ہے، کچھ کارکنوں نے چترپور منتقل ہونے کا فیصلہ کیا اور پھر تمام اہل و عیال
کے ساتھ مستقل چترپور پہنچ گئے۔ چترپور کی بستی مولانا حبیب اللہ اور مولانا انیس الدین احمد صاحب
کی موجودگی سے بہت متاثر ہوئی۔ چترپور پہنچنے کے ایک سال کے بعد ہی وہاں ایک اسلامی درسگاہ
کے قیام کا فیصلہ ہوا جس میں مولانا جلیل احسن ندوی اور مولانا شہباز صاحب بھی استاد کی حیثیت
سے بلائے گئے۔ چترپور کو مرکز بنا کر پورے جنوبی بہار میں جماعت اسلامی کا کام کرتے رہے
ایک طرف تنظیمی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آئیں اور دوسری طرف ان کی شخصیت کا وقار اور
عظمت دوست و دشمن سب کو متاثر کرتی رہی۔ چترپور کا مدرسہ تمام علاقوں والوں کے تعاون
سے شروع کیا گیا تھا، ایک مرتبہ اس میں کچھ اختلافات ہو گئے۔ ان اختلافات میں جماعت
اسلامی کے خلاف جماعت مخالف علماء کا اجتماع بلایا گیا جس میں مولانا سالم صاحب اور مولانا
وفا شاہجہاں پوری بھی تشریف لائے۔ چترپور میں جماعت کے کارکنوں نے مشورہ
کیا اور فیصلہ کیا کہ اس اجتماع میں کسی نمائندے کو شریک ہو کر تقریریں سن جائیں
البتہ مولانا انیس الدین صاحب کو اس میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ اجتماع شروع ہوا تھا
انیس صاحب پاجامہ اور شیروانی میں ملبوس اجتماع گاہ میں آئے اور سیدھے ڈائس پر پہنچ
گئے۔ ڈائس پر بیٹھے لوگوں کی نظر پڑی تو سب نے ان کا استقبال کیا اور بیٹھنے کی جگہ دی۔
ایک عجیب سی صورتحال پیدا ہو گئی۔ تقریریں شروع ہوئیں اور خوب ہوئیں لیکن جماعت
کے خلاف کچھ بولنے کی ہمت کسی کو نہ ہو سکی۔ یہ ان کی جرأت مندانہ کی ایک مثال تھی۔

دہلی میں ۱۹۶۰ء میں ہونے والے اجتماع کا ناظم بھی انہیں بنایا گیا، انہی انتظامی
صلاحیتوں اور جرأت مندانہ فیصلوں سے انہوں نے اس اجتماع کو ایک مثالی اجتماع بنا دیا
جس کی یاد آج بھی لوگوں کے ذہن میں محفوظ ہے۔ مرکز جماعت اور ریڈینس کے لیے
دفتر کی خریداری کے مہم میں بھی انہوں نے بڑی ہمت کے ساتھ کوشش کی۔ ان کی موجودگی
میں ساتھیوں کو بھی جرأت مندی کے قدم اٹھانے کا حوصلہ پیدا ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی
خوبیاں تھیں لیکن "ہمت" ان کی سب سے نمایاں صفت تھی۔

۱۹۶۲ء سے وہ مرکزی شوریٰ کے رکن ہو گئے۔ دعوت ٹرسٹ اور اشاعت اسلام
ٹرسٹ کے بھی رکن رہے ۱۹۶۱ء میں جماعت اسلامی بہار کو شمالی اور جنوبی زون میں ختم
کر کے اسے ایک حلقہ بنا دیا گیا اور انیس الدین صاحب کو امیر حلقہ بہار بنا دیا گیا۔ ۶۱ء کے بعد ہی
پٹنہ میں حلقہ کا دفتر شروع ہوا۔ کچھ دنوں تک وہ وقتاً فوقتاً دفتر آکر کاغذات اور کام کا جائزہ
لیتے تھے مگر بعد میں مستقلاً پٹنہ آ گئے۔ ستمبر ۱۹۷۲ء میں شوریٰ کے ایک اجلاس میں شرکت
کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ خراب صحت ۲۲ ستمبر کو دل کے دورے پر ختم ہوئی۔
امیر جماعت نے سورہ یٰسین کی تلاوت شروع کی۔ جب قیل ادخل الجنۃ پر پہنچے تو روح
قفس خاکی کو چھوڑ کر اپنے رب سے واصل جنت کی طرف پرواز ہو گئی (فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی)
مفتی عتیق الرحمن صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور دہلی کے زمین میں جہاں ان گنت
گوہر آبدار پوشیدہ ہیں ریاست بہار کا یہ گوہر گراں مایہ سپرد خاک کر دیا گیا۔ مولانا مودودیؒ نے اپنے
تعزیتی پیغام میں کہا "سید الملک خبر ملی کہ صوبہ بہار کے امیر حلقہ جناب انیس الدین احمد صاحب کا
انتقال ہو گیا۔ اس خبر سے دل صدمہ ہوا ہندوستان میں ایک ایک آدمی جو تحریک اسلامی کی
خدمت کر رہا ہے نہایت قیمتی فرد ہے جس کا دنیا سے رخصت ہو جانا اس تحریک کے لیے ناقابل
تلافی نقصان ہے میری طرف سے ان کے اعزہ و رفقاء کو تعزیت پہنچا دیں۔ میں دعا کرتا ہوں
کہ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرما کر ان کی جگہ کام کرنے کے لیے دوسرے خادمان دین کو پہلے
سے زیادہ سرگرم کر دے۔"

ہزاروں رحمت یزداں بآں رفیق لطیف
بروح تازہ و شاداں بجان پاک انیس

JAMIATUL FALAH
Bilariaganj · Azamgarh (U.P.)
CENTRAL LIBRARY
INDIA

نئی صدی ہجری کا آغاز

اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا اہم موڑ

افغانستان، شام، فلسطین اور فلپائن میں بہنے والا مسلم خون ہندوستان کے مسلمانوں سے یہ سوال کرتا ہے کہ :-

— وہ کب اللہ کی رسی کو پکڑ کر متحد اور منظم ہوں گے۔
— وہ کب سرخ و سفید سامراج کے پھندوں سے آزاد ہوں گے۔
— وہ کب اپنی خودی پہچان کر اللہ کی معرفت میں غوطہ زن ہوں گے۔

اور

مولانا مودودی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہاں کی اکثریت کو اسلام سے روشناس کرانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے؟؟

منجانب

محمد محسن بازیا گنج اعظم گڑھ ۲۷۶۱۲۱ یوپی

از: ڈاکٹر عبدالمغنی

مولانا انیس الدین — ایک مرد بزرگ

۱۹۶۲ء کی بات ہے۔ ریڈینس کی اشاعت ہونے والی تھی اور اڈیٹر کی تلاش تھی۔ ریڈینس بورڈ کے ایک رکن مولانا انیس الدین احمد بھی تھے اور انتظامی امور میں ان کے مشوروں پر کافی اعتماد کیا جاتا تھا۔ ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ مولانا مع اپنے سفری سامان کے رقم السطور کے اُس وقت کے مکان واقع رمنہ روڈ پٹنہ پر براجمان ہیں۔ تبادلۂ سلام و خیریت کے بعد مولانا نے فرمایا کہ وہ سیدھے اسٹیشن سے میرے غریب خانے پر آرہے ہیں۔ اس سے قبل وہ ابھی ابھی دلی سے ریڈینس بورڈ کے جلسے میں شرکت کرکے لوٹے ہیں اور میرے لئے بورڈ کی جانب سے ایک ضروری پیغام لائے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ مجھے ریڈینس کی ادارت قبول کرنی ہے۔ اُس وقت میں نے حال ہی میں پٹنہ کالج کے شعبۂ انگریزی میں لکچرر کی حیثیت سے ملازمت شروع کی تھی اور اس کی توقع نہ تھی کہ مجھے کوئی طویل رخصت مل سکے گی۔ چنانچہ اگر ریڈینس کی ادارت قبول کرتا تو لکچرری چھوڑ دینی پڑتی۔ جب کہ ریڈینس کا مستقبل بالکل غیر یقینی معلوم ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ریڈینس اس پوزیشن میں نہ تھا کہ میری پوری کفالت کرسکے۔ میں نے مولانا اور دوسرے ارکان بورڈ کے اپنے لئے حسن ظن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے عذرات پیش کئے تو مجھے ریڈینس کے لئے دلی بھیجنے کی شدید خواہش کے باوجود بات مولانا کی سمجھ میں آگئی اور پھر انہوں نے [illegible] دلی کے [illegible] دیا۔ یہ وعدہ ضرور انہوں نے لیا کہ میں ریڈینس میں مستقل طور پر پٹنے ہی سے لکھتا رہوں گا۔ (چند سال بعد مرحوم یوسف صدیقی صاحب نے مجھے دوبارہ دلی بلاکر اپنی زندگی کے آخری ایام میں ریڈینس کی ادارت کی پیشکش کی۔ اس بار مجھے شہر دلی کی دعوت دینے کے لئے جناب سید حسین ایم۔ اے۔ علیگ

فیچر ... میرے پاس پڑھ کر ... لاتے تھے، لیکن مولانا انیس الدین احمد صاحب اس وقت زندہ تھے اور سید ... صاحب۔ ان سے مل کر میرے یہاں آ گئے تھے۔ اس وقت ... کی موجودہ عمارت خریدنے کی فکر کی جا رہی تھی اور تین روز تک ... مگر ... کے باوجود میں ایک بار پھر ریڈینس کی ادارت سے صرف اس لیے الگ رہ گیا کہ اس وقت ... کو ادا کرنا ... ممکن نہ تھا، جبکہ مستقبل میں متوقع تھا۔

بہرحال ... ریڈینس میں ایک مستقل کالم Tracks of time کے عنوان سے کھول دیا اور پھر ایک قلمی نام Mouarrikh رکھ دیا جب اس کالم کے ... مضامین میں اپنے معروف نام ہی سے تحریر کرتا رہا۔ اس طرح بعض وقت میرے کئی کئی مضامین ... کے ایک ہی شمارے میں آ جاتے تھے

یہ مولانا انیس الدین احمد صاحب سے میرے قریبی رابطے کی ابتدا تھی، جبکہ اس سے قبل وہ میرے لیے زیادہ تر دور کا جلوہ تھے۔ اس وقت تک بہار کا مرکز جماعت پٹنہ نہیں آیا تھا اور مولانا کے اہل و عیال چترپور (ہزاری باغ) ہی رہتے تھے۔ میں نے انہی دنوں مولانا سے بہت زیادہ اصرار کیا کہ وہ جماعت کے بڑھتے ہوئے کاموں کے پیش نظر اب جلد سے جلد مرکز پٹنہ لے آئیں اور خود بھی اہل و عیال کے ساتھ مرکز میں رہیں تاکہ صوبائی سطح پر اور خاص صوبائی دارالسلطنت میں بیٹھ کر جماعت کے وسیع تر منصوبوں کو زیادہ آسانی کے ساتھ بروئے عمل لایا جائے۔ مولانا نے میرا مشورہ اس طرح قبول کیا گویا یہی ان کے دل کی آواز اور دیرینہ آرزو تھی، حالانکہ ذاتی طور پر چترپور میں مولانا کے لئے زیادہ آسائشیں تھیں، اس لئے کہ ان کے ایک قریبی دوست، جو سمدھی بھی تھے، ایک اچھے تاجر اور مولانا کے بڑے مخلص نیز جماعت کے کاموں میں خاصے معاون تھے، جبکہ پٹنے میں معقول قیام گاہ کا انتظام دشوار ہو رہا تھا۔ بہرحال بہت تلاش کے بعد بالآخر سلطان گنج کا وہ مکان دستیاب ہوا جس میں ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ صاحب (موجودہ امیر حلقہ بہار) اپنا مطب کرتے تھے اور وہی حلقہ کا مرکزی دفتر مولانا انیس الدین احمد صاحب ... بن گیا۔

اس مکان میں آتے ہی مولانا نے سب سے پہلے تو ڈاکٹر صاحب کے مطب کو باضابطہ دفتر کی شکل

دی اور اسے دیگر ضروریات دفتر کے علاوہ ٹیلی فون سے آراستہ کیا۔ پھر قریب کی ایک چھوٹی سی پرانی مسجد کو، جو تقریباً ویران ہو چکی تھی، آباد کرنا شروع کیا، حالانکہ اس کی تولیت کے بعض دعویدار اس آبادی کو پسند نہ کرتے تھے، لیکن تمام ذاتی زحمتوں اور کلفتوں کے باوجود مولانا خانۂ خدا کی آبادی میں لگے رہے اور انہوں نے بالآخر وہاں باضابطہ اور مستقل نظام جماعت قائم کر کے چھوڑا۔ اس کام میں چھوٹی چھوٹی خدمات بھی وہ خود اپنے ہاتھ سے بشوق انجام دیتے تھے۔

حسن انتظام مولانا انیس الدین احمد صاحب کی شخصیت کا سب سے نمایاں جز تھا۔ جماعت میں آنے سے پہلے وہ ایک اہم سرکاری افسر تھے اور اپنے محکمے میں اپنی دیانت کے لئے مشہور تھے۔ اس افسری سے استعفیٰ دے کر ہی وہ جماعت میں ابھرے اور بہت جلد پورے بہار حلقے کے امیر بنا دیے گئے۔ ان کے لئے سابق اور بانی امیر حلقہ جناب حسنین سید نے بڑے خلوص و اعتماد کے ساتھ جگہ خالی کر دی اور جماعت نے سید صاحب کی زبردست تبلیغی صلاحیت کے پیش نظر انہیں اڑیسہ اور آسام جیسی پس ماندہ جگہوں میں پیغام حق کی اشاعت کے کاموں کو منظم کرنے پر مامور کر دیا۔ بہت جلد مولانا انیس الدین احمد صاحب کی خوش تدبیری نے جماعت اسلامی بہار کو نہ صرف بہار اور اس کے دارالسلطنت بلکہ ہندوستان اور اس کے دارالسلطنت کی جماعتی سرگرمیوں کا بھی ایک مرکز امید بنا دیا، مرکز جماعت کا شاید ہی کوئی منصوبہ مولانا کے مشورے اور مدد کے بغیر زیر عمل میں آتا ہو، اور بڑی سے بڑی اسکیم، پر مشکل سے مشکل مہم مولانا انیس الدین احمد صاحب کے کندھوں پر آ پڑتی اور وہ اسے اسی انہماک اور خوش سلیقگی کے ساتھ انجام دینے میں لگ جاتے جس کا اظہار سلطان گنج کی چھوٹی سی مسجد کی آبادکاری میں کرتے تھے۔ کام تنظیم، تسلسل اور تندہی کے ساتھ کرنا مولانا کا صرف فرض منصبی نہیں بلکہ ذاتی شوق اور روزمرہ کا شغل تھا۔ آزادی کے بعد ہندوستان میں جماعت اسلامی کا پہلا آل انڈیا اجتماع مولانا ہی کی سلیقہ مند اور کارگزار نظامت میں ہوا۔

وہ ایک قد آور شخصیت کے مالک تھے، کافی طویل و جسیم تھے، حالانکہ بدن میں فربہی نہ تھی صرف ہاڑی چوڑی تھی اور چہرہ بہت کشادہ اور بارعب۔ سیاہ رنگ، گھنی داڑھی اور لمبے قد کے

ساتھ وہ بعض اوقات سی سنتریوں کی طرح باوقار نیز پر اسرار نظر آتے تھے۔ ایک اجنبی شخص بھی انہیں دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے ٹھٹک جاتا تھا۔ لباس تو بہت ہی سادہ پہنتے تھے مگر جب شیروانی پہن لیتے تھے تو بڑے باوقار زیب لگتے تھے، یوں گھر پر عام طور سے نہایت معمولی طور پر رہتے اور تنگی میں رہا کرتے تھے۔ کثیر العیال تھے لیکن بچوں کی تعلیم سے، چاہے وہ کچھ تنگی ہی برداشت کرنی پڑتی ہو، غافل نہ تھے۔ خود بہت ہی اچھی اردو کے ساتھ انگریزی بھی جانتے تھے اور نہایت شستہ و سلیس تقریر کرتے تھے۔ بڑی روانی کے ساتھ، مدلل اور دل نشیں انداز میں۔ آواز دھیمی لیکن صاف تھی اور جب کسی نکتے پر زور دیتے تو کافی اونچی بھی ہو جاتی، اپنی باتوں کو دلچسپ اور فکر انگیز مثالوں سے واضح کرنے میں انہیں بڑا ملکہ حاصل تھا، اتنی کثرت سے مثالیں سامنے کے واقعات سے دیتے اور اس کا منطقی تجزیہ کرتے کہ سننے والے عام طور پر قائل ہو جاتے اور اثر قبول کرتے۔

مولانا انیس الدین احمد صاحب کا مطالعہ خاصہ وسیع اور متنوع تھا، حالانکہ وہ کسی بھی دیسی یا بدیسی لائن کے سند یافتہ ڈاکٹر نہ تھے، مگر قدیم و جدید طب میں ان کی معلومات بے پناہ تھیں اور اکثر دوائیں بھی تجویز کر دیتے تھے، غالباً اپنا اور اپنے گھر والوں کا علاج آپ خود ہی کرتے تھے، اور اس مقصد کے لئے ہومیو پیتھی اور Harbo-mineral دواؤں کا بکس اپنے پاس رکھتے تھے، لیکن باضابطہ پریکٹس نہ کرتے تھے، غالباً اس لئے کہ انہیں جماعت کے کاموں سے فرصت نہ تھی۔ جماعت کے کاموں سے جو وقت بچتا تھا اسے وہ مطالعے پر صرف کرتے تھے، جس کا انہیں بہت شوق تھا۔ برابر مجھ سے مختلف علوم و فنون پر جدید ترین انگریزی کتابوں کا تقاضا کرتے رہتے تھے اور بعض وقت نام لے لے کر کتابوں کی فرمائش کرتے تھے، کتب خانوں میں تلاش کراتے تھے، کبھی کبھی خود بھی کتابیں خریدتے تھے اور اپنے ذاتی کتب خانے میں مختلف قسم کی کتابیں رکھتے تھے جن میں بعض کو کبھی فروخت بھی کر دیتے تھے۔ جیسے ایک بار انہوں نے میری خواہش پر مجھے جنگ عظیم ثانی سے متعلق ریڈرس ڈائجسٹ کی شائع کردہ پر اسرار کہانیوں پر مشتمل ایک کتاب کی دو جلدیں فروخت دیں۔ غالباً اس طرح جوانی کے ایام کی غیر ضروری چیزوں کو الگ کر کے وہ کچھ ضروری چیزیں حا

کرتے ہوں گے۔ اس سے ان کی محدود معیشت اور اس کے سبب کفایت شعاری کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس کے باوجود وہ احباب و اعزا کی خاطر تواضع کرتے تھے، چائے اصرار کر کے پلاتے اور بعض اوقات کوئی ایسا موقع آ جاتا کہ کسی گفتگو کے درمیان ان کے یہاں کھانے کا وقت ہو جاتا تو جو کچھ میسر ہوتا اسے سامنے لے آتے اور بہت ہی تقاضا کر کے کھلاتے۔

ذاتی وسائل معیشت کے محدود ہونے کے باوجود مولانا انیس الدین احمد کے اجتماعی ذرائع وسیع تھے۔ وہ بڑے بڑے منصوبے بناتے یا ان منصوبوں کی تکمیل کی ذمہ داری ان پر آ پڑتی اور وہ ہر منصوبے کو خوش اسلوبی سے انجام دیتے۔ کبھی وسائل کی کمی کا شکوہ نہ کرتے نہ ان کی تلاش میں زیادہ پریشانی کا اظہار کرتے بلکہ خود اطمینان کے ساتھ کام کرتے اور دوسروں میں اعتماد پیدا کرتے۔ مولانا نے جمشید پور، رانچی اور رورکیلا جیسی صنعتی بستی کے فساد زدہ لوگوں کی راحت کا سامان اپنی نگرانی میں کرایا وہ ان کی خوش تدبیری کا ایک قابل ذکر کارنامہ تھا، اس سلسلے میں انہوں نے خاص کر کے دو کارکنوں کو انہوں نے ماہرانہ تربیت دی، ایک جناب اظہار کریم (ناظم جماعت ضلع مونگیر) دوسرے پروفیسر سہیل اختر خاں (لکچرر شعبۂ اردو، اے ان کالج باڑھ، نالندہ)۔ یہ دونوں آج تک جماعت کے بہت ہی کارگزار کارکن ہیں۔ مولانا انیس الدین احمد کے ساتھ کام کرنے والوں میں ایک رفیق مولانا ارتضاء الدین صاحب بھی ہیں جو جماعت بہار کی شوریٰ کے رکن ہونے کے علاوہ بہ روقت پٹنہ کمشنری کے آرگنائزر بھی ہیں، اور بھی بہتیرے کارکن رانچی بھاگلپور، گیا، جمشید پور وغیرہ میں ایسے ہیں جنہیں مولانا انیس الدین صاحب کے ساتھ کام کرنے اور ان کے حسن انتظام سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس وقت حلقۂ بہار میں جماعت کی جو کچھ جمعیت ہے وہ خاص کر مولانا انیس الدین احمد کی بنائی ہوئی ہے اور کارکنوں کا جو نظام وہ برت کر گئے ہیں وہی اب تک کام کر رہا ہے۔

مولانا کی کوئی مذہبی تعلیم باضابطہ نہ ہوئی تھی نہ انہوں نے اپنے آپ کو باضابطہ عالم دین کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اپنی تعلیم و تربیت کے لحاظ سے اصلاً ایک مسٹر تھے، بالکل جدید انگریزی تعلیم یافتہ اور کاروبار دنیا کے تمام طریقوں سے واقف لیکن جب وہ اسلام کی طرف شعوری طور پر مائل ہوئے اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ کی تحریر

سے متاثر ہوکر جماعت اسلامی میں شامل ہوئے تو انہوں نے اپنی پوری زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھال لیا اور اپنے دینی علوم کے وسیع مطالعے کے ساتھ دینی مطالعات کا بھی اچھا خاصا ذخیرہ اپنے دماغ میں جمع کر لیا۔ چنانچہ علمی ذوق اور علمی صلاحیت کے لحاظ سے ان کی شخصیت بڑی نادر خوبیوں کا ایک مجموعہ تھی، بڑی متین، دلیر اور نفیس۔ قدیم تہذیب کی ساری قدروں کا ایک حسین نمونہ ہونے کے ساتھ ساتھ مولانا انیس الدین احمد ایک جدید اور تازہ کار ذہن کے مالک تھے، مطالعے میں بھی آپ ٹو ڈیٹ اور طریق کار میں بھی موڈرن، فرسودہ و بوسیدہ طرز فکر اور طریق عمل سے انہیں کوئی تعلق نہ تھا۔ وقت کا بڑے سے بڑا لیڈر ان سے گفتگو کر کے محسوس کر سکتا تھا کہ وہ معلومات، طرز گفتگو اور آداب محفل میں اپنے زمانے کے ایک لائق و فائق شخص ہیں۔ چنانچہ جو لوگ بھی انہیں جانتے تھے بہت اچھی طرح جانتے تھے اور بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بعض اصحاب اقتدار تو ان سے خاصے متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت پر حکومت کی نگاہ کڑی ہونے کے باوجود مولانا انیس الدین احمد صاحب کے خلاف حکومت نے کبھی کوئی تعزیری اقدام نہیں کیا اور حکومت میں ان کے بعض قدردانوں نے ذاتی طور پر ان کے متعلق حسن ظن برابر قائم رکھا۔

بہار کی عوامی زندگی میں بالخصوص مسلمانوں کے درمیان مولانا انیس الدین احمد صاحب کا کردار قائدانہ تھا۔ مشہور سے مشہور مسلمان لیڈر ان کی عزت کرنے پر مجبور تھا اور بعض لیڈر تو ان سے مرعوب ہی رہتے تھے، جب کہ بہتیرے ان کی خدمات، اخلاق اور حسن سلوک سے متاثر تھے۔ وہ ہمیشہ جماعت کے حلقے سے باہر کے بھی سماجی و سیاسی کارکنوں کی مدد اور حاجت روائی کے لئے تیار رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عوامی مہم میں مولانا کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش ہر حلقہ کرتا تھا اور وہ تعاون دیتے بھی تھے۔ بہار میں مسلم مجلس مشاورت کے قیام اور مرکزی قائدین کے دوروں کا سارا انتظام مولانا انیس الدین احمد صاحب ہی نے کیا تھا۔ اس کے علاوہ جب بہار میں پہلی بار اقلیتی کمیشن، غالباً ہندوستان میں سب سے پہلے قائم ہوا تو مولانا نے سب سے آگے بڑھ کر ایک آل پارٹیز کمیٹی کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے تمام مسائل پر مشتمل میمورنڈم پیش کرنے کے لئے بنائی حالانکہ وہ کمیٹی کے صرف داعی تھے مگر تمام جماعتوں کے نمائندوں نے بہ اتفاق آرا انہیں ہی کمیٹی کا نگراں منتخب کیا۔ مولانا کے اشارے پر کمیٹی کی ایک نشست نے راقم السطور کو اختیار دیا کہ میمورنڈم کا مسودہ انگریزی میں مرتب کر کے ذاتی ذمہ داری پر اور اپنی تیاریوں سے پیش کروں۔ چنانچہ ایک مقررہ وقت پر میں نے یہ میمورنڈم کمیشن کے سامنے رکھ دیا اور اسے تمام ارکان نے جوں کا توں منظور کر کے اس پر اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔ ایک پیچیدہ مہم کے اس طرح انجام پا جانے سے مولانا بہت مسرور ہوئے۔ لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور میمورنڈم حکومت کے سامنے اس وقت گیا جب مولانا وفات پا چکے تھے اور ان کی جگہ کمیٹی نے جلسہ کر کے ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ صاحب کو نگراں منتخب کر لیا تھا۔ بعد میں جب یہ میمورنڈم کتابی شکل میں شائع ہوا تو اس پر پیش لفظ ڈاکٹر صاحب نے لکھا اور مرتب کی حیثیت سے راقم السطور کا نام دیا گیا۔ بہر حال اس دستاویزی اور تاریخی میمورنڈم کی ترتیب کی تحریک مجھے مولانا انیس الدین احمد صاحب مرحوم ہی نے کی اور ان کی ہی تقاضے پر میں نے تن تنہا سالہا سال کے مسائل و مطالبات کی روداد ایسی حالت میں مرتب کر ڈالی جب کمیٹی کی طرف سے مختلف امور کے لئے مقرر کئے ہوئے دیگر ارکان نے اپنی بے بسی کا اعلان کر دیا تھا کہ

سی. ایس. سی کے تیار کردہ

جوتے چپل اور مختلف اقسام کی ربڑ نیز ہر قسم کے چپل

اور پیروں کا ایک قابل اعتماد مرکز

آئیڈیل فٹ ویئر

ابراہیم رحمت اللہ روڈ، نزد پائیدھونی بمبئی ۳

انیس الدین احمد مرحوم

انیس الدین احمد نام، ولدیت شیخ حکیم علیم الدین سوزاںؔ وطن سہسرام۔ پیدائش ۱۹۱۶ء وفات ۱۹۷۲ء، تعلیم سہسرام سے میٹرک کیا (۳۲ تا ۱۹۳۳ء) خسرو کالج سے بی اے کیا (۱۹۳۶ یا ۱۹۳۸ء میں)

بچپن اور تعلیم :- انیس الدین صاحب کا بچپن ان کے دادا محی الدین اور والد شیخ علیم الدین سوزاں کی سرپرستی میں گذرا۔ ان کے والد مرحوم چوکھنڈی کے رہنے والے تھے اور اپنے عہد کے ایک مشہور پیر طریقت تھے۔ حضرت عنایت حسین چریا کوٹی کے مرید و خلیفۂ مجاز کہے جاتے ہیں۔ سوزاں صاحب کے مکان محلہ چوکھنڈی سہسرام میں ایک روز ڈاکہ پڑا۔ معیشت تباہ ہوگئی۔ ان کی انجمن سدراہ ہوئی۔ وطن میں گذر بسر مشکل ہوگئی تلاش معاش کے لئے نکلے مظفرپور پہنچے پھر دربھنگہ میں جا بسے اور وہیں ۱۹۶۶ء میں انتقال کیا۔

سوزاں صاحب انیس الدین صاحب کو سہسرام میں بغرض تعلیم چھوڑ کر تلاش معاش میں نکلے تھے۔ اس لئے انیس صاحب اپنے ایک رشتہ دار کے یہاں محلہ شیخپورہ میں رہنے لگے۔ اسی درمیان میں انہوں نے سہسرام ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا پھر مظفرپور چلے گئے۔ اور وہیں سے B.A کیا۔

سہسرام کی آزاد فضا انہیں راس آئی۔ باپ بھی گھر سے جا چکے تھے۔ کھیلے خوب پڑھے کم۔ مگر اپنا ہر سبق یاد رکھا۔ ذہانت و حافظہ اچھا تھا۔

ان کے استاذ انگریزی کمو خان صاحب (وکیل عدالت سہسرام) کا ارشاد ہے کہ انیس تھے۔ اتنا ذہین لڑکا میں نے اور کہیں نہیں پایا خاص کر ڈہری آن سون سہسرام اور پٹنہ کے ہائی اسکول میں، جہاں جہاں میں نے تعلیم دی۔

سہسرام ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر ایک بنگالی تھے انہیں چیچک نکل آئی طلبہ اور اسٹاف نے ان کے یہاں جانا چھوڑ دیا کیونکہ ہندو چھوت مانتے ہیں۔ سخت پریشان ہوئے۔ کمو صاحب نے مسلم طلبہ کو بلا کر کہا کہ تم ان کی خدمت کرو۔ انیس الدین صاحب مرحوم اور ان کے دس بارہ ساتھیوں نے ملکر کئی شبانہ روز ان کی خدمت کی جس سے ہیڈ ماسٹر بہت متاثر ہوئے۔

ملازمت :- تعلیم سے فراغت کے بعد انیس صاحب سنٹرل اکسائز ڈپارٹمنٹ میں انسپکٹر ہو گئے۔ ترقی پاکر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہوئے۔ جماعت سے متاثر ہوکر تقریباً ۱۹۶۰ء میں مستعفی ہو گئے۔ پھر کچھ دنوں عابدہ ہائی اسکول مظفرپور میں ٹیچر رہے درمیان میں مظفرپور ہی میں لانڈری کھولی۔

جس زمانے میں انسپکٹر تھے تو اپنی جرات رندانہ کا ایک قصہ سناتے تھے کہ ایکبار ایک بنگالی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ میرے آفس کے ملاحظہ کے لئے آنے والا تھا۔ آفس کے کاغذات درست نہ تھے۔ یہ آفیسر بڑا متعصب تھا۔ میں نے آفس میں تالا لگوا دیا۔ جب آفیسر مذکور پہنچا تالا بند پایا۔ رات کا وقت تھا۔ کہاں جاتا۔ اپنے چپراسی سے تالا تڑوا کر آفس میں ٹھہرا۔ مجھے خبر ہوئی۔ آفس پہنچا اور اسے جوتے سے مارنا شروع کیا۔ وہ کہتا میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہوں میں کہتا تم چور ہو۔

دوسرے دن وہ واپس گیا اور سپرنٹنڈنٹ کے یہاں میرے خلاف کاروائی کردی۔ سپرنٹنڈنٹ ایک انگریز تھا وہ اس سے بار بار کہتا تم کیا کہتے ہو۔ انسپکٹر نے تم کو جوتے سے مارا ہے یہ بڑی سبکی کی بات ہے، خاموشی اختیار کرو اسی میں خیر ہے۔ مگر بنگالی نہ مانا۔ بالآخر مجھے طلب کیا گیا۔ جب سپرنٹنڈنٹ نے مجھ سے پوچھا کیا انیس تم نے ڈپٹی صاحب کو مارا، تو میں نے زور سے کہا، ہاں میں نے مارا، میرے اس جواب پر انگریز آفیسر

کی بیگم پیچھے کرتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ اس کی اس حرکت پر بڑا لطف آیا۔ انجام کار نتیجہ ہوا انہیں ڈپٹی صاحب کا تبادلہ ہو گیا۔

انیس صاحب اصلاً بی۔ اے تھے مگر لوگ انہیں بی۔ ایس سی سمجھتے تھے۔ عابدہ ہائی اسکول میں اتفاق سے سائنس ٹیوٹر رخصت پر چلے گئے تو ان کے مضامین بھی ان کو پڑھانے پڑے۔ سائنس ماسٹر جب واپس آئے تو طلبہ نے ان سے پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح انیس صاحب سائنس ماسٹر بنے رہے اور اسی نام سے معروف ہوئے یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جناب عبدالفتاح صاحب موجودہ امیر حلقہ بنگال ان کے ہم کالج ساتھی ہیں۔ انیس صاحب بی۔ اے میں تھے تو یہ آئی۔ ایس۔ سی میں اور دونوں بیک وقت جماعت میں داخل ہوئے۔

فتاح صاحب سے تحریری طور پر تو نہیں زبانی طور پر بہت کچھ انیس صاحب کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا ہے۔

امارت بہار :- تقسیم ہند سے پہلے مشرقی ہند (بنگال، آسام، بہار، اڑیسہ) کے قیم محمد حسنین سید صاحب دربھنگہ تھے ملک تقسیم ہوا تو تشکیل جماعت اسلامی ہند کے بعد بھی انہوں نے دعوتی کام کو جاری رکھا۔ اور ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۵ء تک مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے۔ جب کام کو آگے بڑھانے کا سوال آیا تو جماعت نے ۱۹۵۵ء میں شمالی بہار اور جنوبی بہار کے لئے دو جہ وقتی قیمین کی ضرورت محسوس کی۔ شوریٰ میں اس پر غور ہوا۔ مگر کام آگے نہ بڑھا۔ دوبارہ شوریٰ ۵ تا ۹ جون ۱۹۵۵ء میں اس مسئلہ پر غور ہوا اور طے کیا گیا کہ شمالی بہار کے قیم حسنین سید صاحب اور جنوبی بہار کے قیم ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ صاحب ہوں گے۔ مگر ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ جو بنگلور کے اجلاس میں شریک ہوئے تھے انہیں یہ اندازہ ہوا کہ ان کی صحت اس قابل نہیں ہے کہ وہ دورے کے کام کو انجام دے سکیں اس لئے انہوں نے مولانا ابواللیث سے معذرت چاہی اور انیس الدین احمد صاحب کا نام پیش کیا۔ انجام کار انیس صاحب مرحوم امیر حلقہ جنوبی بہار ہو گئے۔ (۱۹۵۵ء میں)

علمی صلاحیت :- انیس صاحب اصلاً ایک فعال، متحرک اور منتظم آدمی تھے۔ سرکاری

آفیسر رہ چکے تھے۔ آفس چلانا، دورے کرنا ان کا پہلے سے ہی شغل تھا امیر حلقہ ہونے کے بعد ان کی ہر صلاحیت اور ابھری۔ رات دن انہوں نے سفر کرنا شروع کیا، شہر شہر گاؤں، گاؤں گئے، جہاں بھی انہیں جماعت سے متاثر کسی فرد کا علم ہوا کوشش کی ان سے ضرور ملیں اس طرح ان کی مساعی سے ہر جگہ کام کچھ نہ کچھ منظم ہوا۔ ۱۹۶۱ء میں جب انہوں نے راقم کو پٹنہ کمشنری کا ناظم مقرر کیا تو ایک کاغذ پر سات نام لکھ کر دئے۔ جہاں ارکان یا جماعت کے ممبران موجود تھے دیگھا، بہار شریف، اسلام پور، ہلسہ، اسپید یو کھاپ، سوپائی، کرشنو ڈمری (آن سون) دو سالوں میں اس کمشنری میں ۵۰ مقامات پر جماعت کا تعارف ہوا۔ اور اکثر جگہ اس کی یونٹ قائم ہو گئی۔ جہاں منفرد کوئی کارکن تھا وہاں حلقہ بن گیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ان کی صحت گر چکی تھی۔ نظامت کا کام سپرد کرنے کے لئے انہوں نے جموئی سے مجھے چترپور بلایا تھا۔ اور پٹنہ علالت کے سبب میرے ساتھ پٹنہ نہ آ سکے تھے۔ حالانکہ ان دنوں رانچی کے چند ارکان گرفتار کر لئے گئے تھے پٹنہ پہنچ کر میں نے حسنین سید صاحب کو بذریعہ تار ٹیلیفون بلایا تو ان کی معیت میں ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ اور نسیم صاحب کے ہمراہ سرکاری سطح سے کچھ کوشش کی گئی۔

انیس صاحب اپنی افسری کی عادت ترک کر کے بڑی سادگی سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ کثیر عیال تھے۔ آمدنی کم تھی۔ مگر سلیقہ خوب تھا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا طریقہ بھی ان کا منفرد تھا۔ خود گریجوٹ تھے مگر اپنے دونوں لڑکوں کو پہلے ندوہ سے عالم بنایا۔ پھر کالج کی تعلیم میں لگا دیا۔ یہ سب کچھ ان کے حسن انتظام سے ہوا۔ انجام کار ان کی موت کے بعد ان کے تیسرے لڑکے محمد عارف ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ہوئے اور ان دنوں اپنی والدہ کے ہمراہ چترپور میں مقیم ہیں اور پریکٹس کر رہے ہیں۔ دوسرے لڑکے محمد سلیم سلمہٗ خدا بخش خاں لائبریری میں سرکاری ملازم ہیں۔ اور اچھے عہدے پر فائز ہیں۔ بڑے لڑکے محمد کلیم سلمہٗ بہت دنوں تک روزنامہ دعوت دہلی میں صحافتی خدمات انجام دے کر ان دنوں سعودی عربیہ میں ملازمت کر رہے ہیں۔ باقی لڑکے زیر تعلیم ہیں۔

مختصر یہ کہ ان کی خدمات اور حسن کارکردگی کی بہت سی مثالیں ہیں نہ کھانے کا ٹھکانہ نہ پہننے کا اہتمام۔ شب و روز کے دورے نے انہیں آخر ذیابیطس کا شکار کر دیا۔ اس

مرض مہلک نے انہیں بڑا نقصان پہنچایا۔ جسموں پر زخم آ گئے۔ پھر حالت گری۔ موت سے قریب تر ہو گئے اور اسی حالت میں خدا کو پیارے ہو گئے۔

گیارہ سالوں تک حلقہ کا صدر دفتر چترپور رہا۔ ایک قصبہ سے نکل کر کام کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ پٹنہ کے چند احباب بالخصوص ڈاکٹر سید ضیاء الہدیٰ صاحب۔ عبدالمغنی صاحب لکچرر پٹنہ کالج اور علاؤالدین صاحب مدیر سنگم اور راقم الحروف کے اصرار پر انھوں نے اپنا صدر دفتر پٹنہ منتقل فرمایا۔ ۱۹۶۵ء سے باضابطہ پٹنہ میں مقیم رہ کر کام کرنا شروع کیا۔ اور تا حیات یہاں ہی مقیم رہے۔

ابتداً انہیں اپنی آفس سنبھالنے کے لئے جماعت کے ایک مخلص رکن سید اظہار کریم صاحب بھاگلپور مل گئے۔ ۱۹۷۰ء سے پہلے ان کا کام منظم ہو چکا تھا۔ اظہار کریم صاحب کے آنے کے بعد کام اور آگے بڑھا۔ اس کے بعد انہیں آفس سیکریٹری کی حیثیت سے عبدالودود صاحب بہار شریف مل گئے۔ جن کی انھوں نے مخصوص انداز میں تربیت فرمائی تا دم تحریر وہ آفس کا کام سنبھالے ہوئے ہیں۔

دیگر علمی صلاحیت:۔ انگریزی کے تو وہ استاد ہی رہ چکے تھے۔ سائنس کے علوم پر بھی دسترس حاصل تھی۔ عربی بھی ایک گونہ سیکھ گئے تھے۔ فارسی اور اردو تو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ دینی شغف اتنا بڑھا کہ انھوں نے قرآن پاک کے آخری دس پارے حفظ کر لئے۔ حدیثیں اور انگریزی امثال سے بھی اپنی تقریروں میں فائدہ اٹھاتے تھے۔ عربی کے مدرسہ کے فارغ التحصیل نہ ہونے کے باوجود اپنی وضع قطع اور دینی بصیرت اور وسعت مطالعہ کے لحاظ سے عملاً ایک عالم دین سے کم نہ تھے۔

ہومیوپیتھک اور پامسٹری سے بھی اچھی دلچسپی تھی۔ آخر میں تصنیفی ذوق بڑھ گیا تھا۔ متعدد علمی کتابیں لکھیں۔ بعض شائع بھی ہو چکی ہیں (اسلام ہی کیوں، تلاش منزل) بعض زیر تحریر ہیں، ایک انگریزی کی ریڈر بھی لکھی " ماڈل انگلش ریڈر " جو مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۶ سے شائع ہوئی۔

تنظیمی صلاحیت:۔ مسلمانوں میں علم و تبلیغ تو بہت ہوئے مگر منظم و منضبط کام کا فقدان رہا ہے۔ بشیر شاہی وصف ان کی زندگی کا جوہر تھا۔ اگر انہیں نظام

صاحب مرحوم کا رنگ ہر ایک سے جداگانہ تھا۔ ان کی قائدانہ صلاحیت بالعموم قائدانہ استعداد رکھنے والوں کے سامنے ابھرتی تھی۔ وہ بڑی حکمت سے ہر ایک کو اپنے سے قریب کر لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مخالف بھی ان کے مقصد اور ان کی تحریک کا ہمنوا بن جاتا تھا۔

دیگر اوصاف:۔ دورہ تو ان کا دن رات کا مشغلہ ہی تھا۔ وہ جس کے گھر جاتے کسی پر بار نہ بنتے تھے۔ روکھا سوکھا جو مل جاتا کھا لیتے تھے۔ اکثر گھر والے باہر ہی بیت الخلاء ہوتا وہ کئی کئی دنوں تک رفع حاجت پر قابو رکھتے۔ کسی سلیقہ مند کے یہاں جاتے تو انہیں آسانیاں فراہم ہوتیں۔ اس معاملے میں بڑے شرمیلے تھے۔ اکثر رقمیں اپنی جیب خاص سے صرف فرماتے متمول احباب پر بھی چھا جاتے تھے۔ اور تدریجاً اس کے مال کو تحریک کے لئے مفید بنا لیتے اس کے قلب کا اس طرح تزکیہ فرماتے کہ وہ مال طیب کے حصول میں لگ جاتا۔ اور امیر کا مزاج بدل جاتا۔ تمول کا زعم نکل جاتا، طبیعت منکسر ہو جاتی۔ جس نے ان کی اس حکمت عملی کو قریب سے دیکھا اور سمجھا ہے وہ میرے اس خیال کی تصدیق کرے گا۔ مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے۔ بعض جگہ ان کی اس روش سے غلط فہمیاں بھی پھیلی مگر وہ انہیں بڑی حد تک قابو میں لے آئے۔ یہ بھی ان کی ایک بڑی خوبی تھی۔

تربیت کا مخصوص انداز:۔ جب کسی اہل علم سے ملتے تو ابتداً لئے دئے رہتے تھے رفتہ رفتہ اس کی ذہنی سطح کو سمجھ کر اس کے سامنے کھلتے اور بالآخر اسے اپنا رفیق یا ہمدرد بنا لیتے۔ بے شمار افراد کی انھوں نے اسی طرح تربیت فرمائی جس کی داستان طویل ہے۔

مشورے بھی وہ لوگوں کے مبلغ علم، ذہنی سطح۔ اور دینی جذبات کے مطابق ہی دیتے تھے۔ اس لئے ان کے مشورے ہر ایک کے لئے پسندیدہ بن جاتے تھے۔ علم نفسیات، جدید و قدیم کا مطالعہ بھی ان کا اچھا خاصا تھا۔ صوفی نہ ہونے کے باوجود عملاً صوفی تھے۔ استاد نفسیات نہ ہونے کے باوجود وہ علم النفس میں اچھا درک رکھتے تھے۔

مختصراً چند جماعتی خدمات کا تعارف جب ۱۹۵۶ء میں مشرقی ہند کا منفرد دار

سلطنت عطا ہوتا تو بلاشبہ وہ اعلیٰ درجہ کے حکمران ثابت ہوتے۔ ان چند فقروں سے آپ ان کی انتظامی صلاحیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

وہ اچھے ڈرافٹ مین تھے اور حساب کتاب کے ماہر بھی۔ بہار میں متعدد مقامی دفاتر ان کے عہد میں کھلے۔ وہ ہمیشہ جوہر قابل کی تلاش میں رہتے تھے۔ مردم شناسی میں بڑی مہارت تھی۔ لوگوں کے مراتب کا لحاظ کرکے ان سے کام لیتے۔ بڑوں کی عزت چھوٹوں پر شفقت ان کا خاص ہنر تھا۔

قائدانہ صلاحیت ایسی تھی کہ ملک گیر پیمانہ کے مسلم قائدین ان کی عزت کرتے تھے اور ان کے حسنِ انتظام کے سب ہی مداح اور ان کی ملی بہی خواہی کے سب ہی قدردان تھے۔ مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی، ندوی سابق امیر جماعت اسلامی ہند کا مزاج ان کے مزاج سے بڑی حد تک ہم آہنگ تھا اکثر راقم کی آرا بھی ان کی آرا سے بڑی حد تک ہم آہنگ رہیں۔

کبھی اختلاف بھی ہوا تو بالآخر ان کے صبر و تحمل نے مجھے صحیح راہ پر لگانے میں بڑی مدد دی۔ بلاشبہ وہ راقم کے لئے بھی ایک اچھے مربی اور شفیق و مخلص رفیق ثابت ہوئے۔ میری ناروا تنقید بھی برداشت کر لیتے۔ چشم پوشی، عفو و درگذر انکی عام عادت تھی تاہم انتظامی امور میں وہ کسی کے تساہل کو برداشت نہ کرنے کے باوجود شفقت سے اپنا کام نکال لیتے تھے۔

داعیانہ صلاحیت پر ایک نظر :۔ راقم کو دعوتی خدمات انجام دینے کا تجربہ زیادہ جن افراد کے ساتھ ملا۔ ان میں عبدالفتاح صاحب محمد حسنین سید صاحب، انیس الدین احمد صاحب ممتاز اور قابل ذکر ہیں۔ بعض باتیں راقم نے محمد شفیع مونس صاحب سے بھی سیکھیں۔ تعلیمی کارکردگی اور حسنِ انتظام کا بعض سلیقہ افضل صاحب سے سیکھا۔

عبدالفتاح صاحب عوام میں نفوذ کرنے کا جہاں اچھا ملکہ رکھتے ہیں وہیں حسنین سید صاحب اعلیٰ طبقات میں نفوذ کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے نظر آتے ہیں۔ انیس الدین احمد

اجتماع (بنگال، آسام و بہار) پارک سرکس کلکتہ میں ہوا تو ان کے حسن انتظام کا پہلی بار سب کو اندازہ ہوا۔ عبدالفتاح صاحب کی ہر قدم پر انہوں نے مدد کی ۱۹۶۰ء میں کل ہند اجتماع دہلی نے تو انہیں پوری جماعت میں متعارف کر دیا بحیثیت ناظم اجتماع ان کی خدمات قابل تعریف تھیں۔

نصاب کمیٹی :۔ ۱۹۵۵ء میں جب مرکزی ثانوی درسگاہ اسلامی کے نصاب کا مسئلہ زیر غور آیا تو انیس صاحب کو بھی جماعت کی نصاب کمیٹی کا رکن مقرر کیا گیا واضح رہے موصوف ۱۹۵۵ء میں حلقہ جنوبی بہار مقرر ہوئے تھے۔ رفتہ رفتہ انکا رابطہ مرکزی جماعت سے بڑھتا گیا اور مرکزی شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے اور مرکز کے اہم فیصلوں میں ان کے مشوروں کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی۔

فساد جبل پور :۔ ۱۹۶۱ء میں جب ساگر اور جبل پور میں فساد ہوا تو ان کی طبیعت پر بڑا گہرا اثر پڑا ملی خدمات کی طرف طبیعت مائل ہو گئی جب مسلم مشاورت وجود میں آئی تو انہوں نے وسیع پیمانے پر بہار میں اسکا تعارف کرایا۔ مشاورت کے ذمہ داران بہار آئے گیا میں بڑا وسیع اور کامیاب جلسہ ہوا۔ نتیجتہً ملک گیر پیمانہ پر کچھ دنوں لوگوں کی نگاہیں مشاورت کی طرف جم گئیں۔

احمد آباد کا فساد :۔ احمد آباد ۱۹۶۹ء کے فساد کے وقت عبدالغفار خاں سرحدی گاندھی ہندوستان میں موجود تھے۔ فساد کو بچشم خود دیکھ کر تلملا اٹھے کھری کھری باتیں ارباب حکومت کو سنائیں اور کہا کہ آزادی کی جنگ اس لئے نہیں لڑی گئی تھی کہ دو ملتیں اس میں لڑ کر تباہ ہوں۔ انہوں نے انسانی برادری کی تحریک چلانے کی تجویز رکھی جس کی سربراہی جے پرکاش نے قبول کی۔ انیس صاحب مرحوم نے اس تحریک کا بھی تعاون کیا۔ بعد میں یہ تحریک بھی ٹھپ ہو گئی۔

اخبار کا مسئلہ :۔ انگریزی اخبار کا مسئلہ جب زیر غور آیا اور بعد میں انگریزی اخبار نکلا تو موصوف نے اس کی اشاعت کے لئے بھی اپنی بساط بھر سعی کی۔ شروع میں اس کے کافی کوشش بہار میں لوگوں نے لئے۔ بالآخر ریڈینس نکل کر رہا۔

مرکزی عمارت :۔ مرکز دہلی کی نئی عمارت (بازار چتلی قبر) کا جب ۱۹۶۶ء

پیمانہ پر بحث آیا تو موصوف نے اس کی مہم میں بھی غیر معمولی سرگرمی دکھائی اور کثیر رقم بہار سے سابقت ایفر کے جذبہ سے آگے بڑھ کر فراہم کی۔ اس لئے فنڈ فراہمی میں وہ دوسرے حلقوں سے کہیں زیادہ ممتاز اور تجربہ کار ثابت ہوئے۔

چین کا حملہ:- ۱۹۶۲ء میں جب چین نے ہندوستان پر جارحانہ حملہ کیا تو جماعت اسلامی بہار کا اجتماع بھاگلپور میں ہونے والا تھا۔ تیاریاں تقریباً مکمل ہو چکی تھیں۔ تیسرے دن اجتماع ہونے والا تھا۔ ہر طرف وسیع پیمانہ پر اس کا تعارف ہو چکا تھا۔ موصوف کی مساعی سے اجتماع ارکان کے شوریٰ سے ملتوی کر دیا گیا تو ریڈیو نے یہ خبر نشر کی کہ جماعت اسلامی نے اپنے اجتماع کو ملتوی کر کے ملکی یکجہتی کا بڑا ثبوت دیا یہ ایک اچھی خبر تھی جو اس وقت سامنے آئی۔

قحط:- ۱۹۶۶ء میں بہار وسیع پیمانہ پر قحط کا شکار ہوا تو انیس صاحب مرحوم نے تمام متاثرہ علاقوں کا وسیع پیمانہ پر دورہ کیا سہسرام و بہار شریف، جموئی، بھاگلپور وغیرہ ہر جگہ ریلیف کا ایسا انتظام کیا جس سے خلق خدا کو غیر معمولی فائدہ پہنچا۔ اسی زمانے میں مولانا ابواللیث صاحب تشریف لائے تو بھاگلپور سے قریب ایک جگہ ونوبا بھاوے جی سے انیس صاحب کے ہمراہ ملے، اور ان سے نمائندہ دعوت نے ایک تاریخی انٹرویو لیا۔ جو دعوت میں شائع ہوا۔ اس مہم کے بعد دوسرے سماج کے لوگوں سے جماعتی لوگوں کا ربط بڑھا، جس کا بہت دنوں تک اچھا اثر رہا۔

بہار میں سیلاب اور آتش زنی کے موقع پر بھی مرحوم نے اچھی خدمات انجام دیں۔ اور اپنے کارکنوں کو ہر طرح کی ریلیف پہنچانے کی تربیت دی۔

سہ لسانی فارمولا:- سہ لسانی فارمولا کا مسئلہ جب ۱۹۶۳ء میں بڑے شدومد کے ساتھ ہندوستان میں پیش کیا گیا تو موصوف نے ہم لوگوں کو اس کے ازالے کی خصوصی تربیت دی، پورے بہار میں اس فارمولے کے فتنے سے لوگوں کو باخبر کیا گیا۔ ہر جگہ اس موضوع پر تقریریں کی گئیں۔

فرقہ پرستی:- فرقہ پرستی کا جماعت پر سب سے پہلے الزام ایک خاص پس منظر میں

اس وقت کے وزیر اعظم ہند شری جواہر لال نہرو نے ۱۹۵۸ء میں لگایا تھا۔ [illegible] میں اسے دہرایا گیا۔ تو مولانا سید حامد علی صاحب نے رام پور میں اپنی ایک تقریر میں بڑا ہی مدلل جواب دیا موصوف کی یہ تقریر اس موضوع پر سب سے عمدہ اور موثر تھی۔ اس تقریر کے اثرات دور تک پھیلے، بہار میں بھی اس کے خلاف مہم چلائی گئی۔

زندگی کے آخری لمحات:- ۱۹۷۲ء میں انیس صاحب مرحوم مرکزی شعبہ جات کی نشستوں میں شرکت کے لئے دہلی تشریف لے گئے مشاورت کے اجلاس میں بھی شریک ہوئے۔ اس طرح دینی تحریکی، ملی خدمات انجام دیتے ہوئے مرکز جماعت اسلامی ہند دہلی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ نماز جنازہ مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی نے پڑھائی۔ جنازے میں مسلم جماعتوں کے متعدد سربراہ شریک رہے۔ دہلی میں مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ اور ان کی خدمات قبول فرمائے۔ آمین۔

غزل

شفیع اللہ خاں رازؔ اٹاوی

کانپ اٹھتا ہے بدن روح بھی تھراتی ہے
اپنی جب حالت خستہ پہ ہنسی آتی ہے

کوئی لغزش اگر انسان سے ہو جاتی ہے
تو نظر آپ سے خود آپ ہی شرماتی ہے

موت کہتے ہیں غم زیست سے محرومی کو
روح کو چین میسر ہو تو ہو جاتی ہے

چھوڑ سکتا نہیں امید کا دامن وہ کبھی
کامیابی کی جھلک جس کو نظر آتی ہے

آتش غم سے دل اس طرح جھلس جاتا ہے
جس طرح نئی کلی دھوپ سے کملاتی ہے

پاؤں کیوں اٹھتے ہیں ایسا گماں ہے شاید
اپنی منزل کہیں نزدیک نظر آتی ہے

ظلم کے ذکر سے کیوں آپ خفا ہوتے ہیں
کچھ نہ کچھ ہوتی ہے جب بات کہی جاتی ہے

جی نہیں چاہتا اس رہ سے گزرنے کو بھی
راہگیروں سے جو پامال نظر آتی ہے

رازؔ انسان کو [illegible] تازہ سبق
اس پہ مشکل کوئی جس وقت کڑی آتی ہے

محمد حسین سید

چمن سے بیٹھے ہیں عاشق ناشاد کہیں

انیس احمد مرحوم حکیم علیم الدین احمد سوز آف دربھنگہ کے مشہور و معروف حکیم اور شاعر کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ ان کی پیدائش ۱۹۲۳ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم و تربیت دربھنگہ میں ہوئی۔ کالج کی تعلیم بی۔ اے تک مظفر پور میں ہوئی۔ اس زمانہ میں صرف مظفر پور میں موجودہ لنگٹ سنگھ کالج پورے شمالی بہار میں تھا۔

(۱) پہلی ملاقات:- میری ان سے پہلی ملاقات دربھنگہ شہر کے ایک دعوتی اجتماع ۱۹۴۹ء میں ہوئی۔ اجتماع کے دوران آئے۔ اجتماع میں شریک ہو گئے۔ اجتماع کی کارروائی ختم ہونے پر مجھ سے ملے۔ اور بتایا کہ پاکستان بننے پر مغربی پنجاب پاکستان چلے گئے تھے۔ سنٹرل ایکسائز میں ملازم ہیں اب واپس ہندوستان آ گئے ہیں۔ ایکسائز انسپکٹر کی حیثیت سے سمستی پور میں پوسٹنگ ہے۔ جماعت سے اتفاق، دلچسپی اور ہمدردی ہے۔ پنجاب میں جماعت کے ذمہ داروں اور کچھ سیاسی رہنماؤں سے ملاقات اور تعارف اور تعلق کا اظہار کیا۔ پہلی ملاقات اسی حد تک رہی۔ سمستی پور سے جب دربھنگہ آتے تو ملنے کی کوشش کرتے۔ کوئی اجتماع ہوتا تو اس میں شرکت کرتے۔

(۲) ان کی جماعت سے واقفیت اور تعلق کا جائزہ اور مشورہ:-

ہر نئے آدمی سے جو جماعت سے تعلق کا اظہار کرتا ان سے جماعت اور اس کی دعوت سے واقفیت دلچسپی اور تعلق کی حد معلوم کرنے کی کوشش کرنا۔ جس پہلو سے کمی محسوس کرتا مشورہ سے

دینا۔ ان کو بھی دیا۔ اس زمانہ میں دعوت اسلامی اور جماعت اسلامی کو سمجھنے سمجھانے کے لئے چند ہی کتابیں تھیں۔ ان کو ترتیب سے پڑھوا دینے سے بات واضح ہو جاتی۔ کتابچے "سلامتی کا راستہ"، "نشان راہ"، "اسلام کا نظریۂ سیاسی"، "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے"، "شہادت حق"، "رسالہ دینیات"، "خطبات"، "دستور جماعت" اور "روداد جماعت اسلامی" ۱۔ جو لوگ یہ نصاب پورا کر لیتے ان کو جماعت سے وابستگی پر آمادہ کرتا۔ اور عملی، اخلاقی لحاظ سے تیار کرتا۔ چنانچہ جماعت سے ان کی دلچسپی اور بڑھ روز افزوں ہو گئی۔ ان دنوں سرکاری ملازمت جماعت کے متوسلین کراہت کے ساتھ ہی گوارا کرتے تھے۔ ان کو بتایا کہ آبکاری اور سودی کاروبار ان اداروں میں ملازمت عام طور سے مسلم معاشرے میں غلط اور ناپسند سمجھی جاتی ہے۔ لہٰذا اس سے نجات حاصل کریں۔ چنانچہ مسلم عابدہ اسکول مظفر پور میں ایک استاد کی جگہ خالی ہوئی تو سرکاری آبکاری کی ملازمت ترک کر کے حامد مسلم اسکول کی ملازمت اختیار کر لی۔ اب ان کو بتایا گیا کہ اقامت دین کی جدوجہد میں عملاً باضابطہ حصہ لینے کے لیے نظم جماعت سے وابستگی ضروری ہے۔ انیس صاحب ان لوگوں میں تھے جو جماعت کی رکنیت کو بڑی چیز سمجھتے تھے۔ اور اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ اور یہ کہ رکنیت کی ذمہ داریاں وہ ادا نہیں کر سکیں گے۔ ان کی حوصلہ افزائی کی گئی کہ وہ اللہ کی مدد سے اس کے اہل ہو سکتے ہیں اور ذمہ داریوں کو ادا کر سکتے ہیں۔ جماعت اسلامی کوئی فرشتوں کی جماعت نہیں ہے۔ رکنیت کی شرائط وہی ہیں جو ایک مسلمان کے لئے کم سے کم شرائط ہو سکتی ہیں۔ دین کی ضروری واقفیت، دین کی سمجھ عقائد توحید، آخرت، رسالت پر شرح صدر کے ساتھ ایمان۔ کبائر سے توبہ و اجتناب کی کوشش فرائض کی شرعی پابندیوں سے ادائیگی۔ رزق حلال کا اہتمام۔ اس کے بعد اپنے اوقات سے جتنا فارغ کر سکیں، اپنے مال میں سے جتنا بچا سکیں اقامت دین جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کرنا۔ اور حتی الامکان نظم جماعت کی پابندی کرنا۔ بتائیے ان شرائط میں سے کون سی شرط غیر ضروری، اضافہ نا قابل عمل ہے۔ وہ قائل اور مطمئن ہو گئے۔ رکنیت کی درخواست دی۔ رکنیت کی سفارش کی گئی۔ رکن بنائے گئے ... بننے کے بعد

مظفرپور میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی سرگرمیوں میں اضافہ ہوگیا۔ جماعت کے حلقۂ تعارف میں بڑی توسیع ہوگئی۔ متوسلین جماعت میں اضافہ ہوگیا۔ اوپر میں نے عرض کیا کہ انیس الدین صاحب کی کالج کی تعلیم مظفرپور میں ہوئی تھی۔ مظفرپور کے گلی کوچوں سے وہ واقف تھے۔ وہاں کے مسلم و غیر مسلم ممتاز شخصیتوں سے واقف تھے۔ پہلے سے ہی ان کا حلقۂ احباب وسیع تھا۔ وہ طبعاً خوش مزاج، ظریف و باغ و بہار آدمی تھے۔ اسی شہر میں جب وہ اشتراکیت (کمیونزم) سے متاثر تھے بیکرو بنیائین پہن کر بیڑی لئے اشتراکیت کا پوسٹر ماؤں کو شہر کی دیواروں پر چسپاں کرتے تھے۔ اب اللہ نے ان کو ہدایت فرمائی تو دین کے خادم و مجاہد بنے جماعت کا لٹریچر، اخبارات و رسائل مظفرپور کے گھر گھر در در پہنچانے لگے۔ اپنے آپ کو، اور جماعت اسلامی کو شہر میں سوالیہ نشان بنا دیا۔ سچ کہا صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خیارکم فی الجاہلیۃ خیارکم فی الاسلام۔ اپنی دیانت، اصابت رائے اور سرگرمیوں کی وجہ سے جماعت کے ممتاز ارکان میں ان کا شمار ہونے لگا۔ اس وقت بہار چار کمشنریوں پر مشتمل تھا، ترہت کمشنری، پٹنہ کمشنری، [illegible] تنظیم کی جائے تو وہ ترہت کمشنری کے ناظم بنائے گئے۔ اپنی فرض شناسی اور جماعتی سرگرمیوں کے لحاظ سے وہ اسی حیثیت سے بھی ممتاز ہوگئے۔ جماعت کے ذمہ دار کارکنوں کے لئے رپورٹ تیار کرنا اور وقت پر ارسال کرنا ایک بڑا مشکل کام سمجھا جاتا ہے۔ [illegible] بھی وہ مستعد تھے اور رپورٹ مرتب کرنے کا ان کو اچھا سلیقہ تھا۔ کلکتہ میں مشرقی منطقہ، بہار، اڑیسہ، مغربی بنگال اور آسام کا [illegible] میں اجتماع ہوا، اس کے وہ ناظم بن گئے۔ برادر محترم عبدالستار [illegible] صاحب ان کے معاون بنے۔ دونوں نے مل کر بہت اچھا نظم کر ڈالا۔ ان کے جوہر کھلے۔ موجودہ امیر جماعت بحیثیت جماعت کے اس اجتماع میں شریک ہوئے تھے۔ ان کے حسن انتظام سے متاثر ہوئے۔ اور دلی میں [illegible] کل ہند اجتماع ہوا تو اس کے ناظم بنائے گئے۔ جامع مسجد دلی کے سامنے کی طرف میدان تھا۔ [illegible] بڑا شاندار اجتماع گاہ بنوایا۔ اور بہت اچھا انتظام کیا۔ شاباشی اور داد و دہش کے مستحق ہوتے اور [illegible] جماعت، مجلس شوریٰ کے رکن بنائے گئے، اور تا دم آخر اس کے رکن رہے۔ بہار میں [illegible] میں ایک ہنگامہ ہوا کہ [illegible] پیسوں سے کوپن فروخت کرنے

پر قریباً ساڑھے تین لاکھ روپئے جمع ہوئے۔ اور مستحقین کی توثیق اور سلیقہ مندی سے امداد کا انتظام کیا گیا۔ [illegible] میں بہار کی جماعت کو دو حلقوں میں بانٹنے کی تجویز منظور ہوئی۔ جنوبی بہار کی امارت حلقہ کے لئے ان کا نام تجویز ہوا۔ اس وقت وہ مسلم حامدیہ ہائی اسکول مظفرپور میں ٹیچر تھے۔ ماشاء اللہ کثیر الاولاد تھے۔ مصارف پورے کرنے کے لئے وہ کچھ ٹیوشن کرتے تھے۔ جماعت کے کارکنوں کے لئے کسی ایک شہر پر گذر قناعت کرنا بڑا مشکل اور صبر آزما کام ہے۔ اس زمانہ میں جماعت کا جو کارکن ہوتا تھا وہ ہمہ وقتی کارکن ہوتا تھا۔ نہ اجازت تھی اور نہ اس کا موقع ہی تھا دعوت اور تنظیم کا کام کرنے والوں کے لئے چین کا موقع کہاں ملتا! دعوتی سرگرمیوں کے بعد کاموں میں اضافہ کا ہونا لازمی ہے۔ ہر مہینے میں ۱۵، ۲۰ دن سفر میں گذارنا لازمی۔

شعر

چین سے بیٹھتے ہیں عاشق ناشاد کہیں
دن کہیں، رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں

مگر ان کو جھجک اس بات پر نہیں تھی کہ جماعت کے [illegible] پر گذر کیسے کریں گے بلکہ ان کو تامل اس بات پر تھا کہ ان سے یہ گراں بار ذمہ داریوں کا حق ادا بھی ہو سکے گا؟ جماعت نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور ہمت بندھائی کہ ہر شخص احساس ذمہ داری کے ساتھ امکانی جد و جہد کا ہی مکلف ہے۔ نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ چونکہ آپ نے اس عہدہ کی طلب و خواہش نہیں کی ہے۔ جماعت نے آپ کو اس کا اہل سمجھا ہے لہٰذا ہر قدم پر ان شاء اللہ اللہ کی ہدایت اور نصرت ہوگی۔ اس طرح انہوں نے اس ذمہ داری کو قبول کیا۔ اور اللہ کی ہدایت و نصرت ہوئی۔ کام بڑھا، شمالی بہار سے میرے آسام منتقل ہو جانے کے بعد شمالی بہار میں تحریک اسلامی کا کام بہت متاثر ہوا۔ اور کوئی مناسب امیر حلقہ دستیاب نہیں ہو سکا تو شمالی بہار اور جنوبی بہار کا چارج بھی سنبھالا تھا کہ داعی اجل کو لبیک کہنا پڑا۔ جماعتی کام سے دلی گئے ہوئے تھے کہ دل کا دورہ پڑا۔ غریب الوطنی میں ہی اپنے رب سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ ان کی کوششوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور فردوس میں جگہ دے۔

یہ بات اوپر آچکی ہے کہ وہ طبعاً خوش مزاج، درست [illegible] ظریف، باغ و بہار آدمی تھے۔

ایسے لوگ امتیازیاں قمت بڑی حد تک برباد کر دیتے ہیں۔ مگر انیس الدین صاحب فرض شناس اور فرائض
کی ادائیگی میں مستعد بھی تھے۔ ہم بہاریوں میں کاہلی، سہل انگاری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔
اولوالعزمی اور بلند حوصلگی کا فقدان ہے۔ اپنی طالب علمی کے زمانہ کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے۔
جامعہ میں زیر تعلیم تھا۔ اخبار میں دیکھا بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق مرحوم بہار کا دورہ کرکے آئے
ہیں۔ اور دلی ریلوے اسٹیشن کے (Relizing Room) میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ خیال
ہوا کہ چل کر ان سے ملوں اور بہار کے تازہ حالات اور بہاریوں کے متعلق ان سے تاثرات معلوم
کروں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک بہاری کی حیثیت سے اپنا تعارف کرایا۔ اور ان
سے بہار کے حالات اور بہار کے سلسلے میں ان کے تاثرات معلوم کرنا چاہا۔ شفقت سے فرمایا:
"بہاری بڑے نیک مخلص اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ بڑے کاہل اور بےعمل
بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اردو کے سلسلے میں جدوجہد کے لئے ان کو ابھارنے کی کوشش کی تو کہنے
لگے "یہ کوئی اتنا اہم کام ہے جس کی خاطر آپ اپنی اس ضعیفی میں دورے کی زحمت گوارا کریں!
میرا تو بہاریوں کو مشورہ ہے کہ سب عہد کریں کہ کاہلی سہل انگاری سے توبہ کریں۔ اس
بہار میں نشو و نما پانے والے انیس الدین مرحوم میں بلند حوصلگی اور اولوالعزمی بھی
تھی۔ داؤد نگر مظفرپور کے ایک اجتماع میں تقریر کرنے کی ان سے فرمائش کی گئی۔ تو وہ
اپنا مافی الضمیر جس طرح ادا نہ کر سکے۔ چند منٹوں سے زیادہ نہ بول سکے۔ بعد میں مشق سے تقریر
کرنے اور اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کی اچھی صلاحیت پیدا کر لی۔ جب جنوبی بہار کے امیر حلقہ ہوئے
تو ان کو احساس ہوا کہ ان کو عربی کی کچھ واقفیت ہونی چاہئے۔ کوشش سے عربی کی اچھی
خاصی استعداد پیدا کر لی۔ دعوت و تنظیم کے کاموں میں دن رات مشغول رہنے کے بعد
کسی تصنیف و تالیف کا موقع نکالنا بہت مشکل کام ہے مگر وہ کئی کتابوں کے مصنف
بھی ہو گئے۔

کہ چومتی ہیں ترے زخم کو مری نظریں

چلو کہ شعر کے پیمانے آنسوؤں سے بھریں
پھر آج پیارے شہیدوں کی یاد تازہ کریں
ہے ایک گھٹا تاریک سی مرے دل کو محیط
نہ جانے کتنی آفتیں گزر گئیں سر میں
ابھی ہے کوچۂ قاتل میں گرم ہنگامہ
کہ آرہی ہیں مسلسل بری بری خبریں
حیات کے یہ فدائی ہیں جو کہ تھے ایسے
جو اپنی عمر دو روزہ میں بار بار مریں
ہم ان کے سایۂ خنجر میں بھی رہے یہ فراغ
وہ تخت جبر پہ بیٹھے ہوئے بھی ہم سے ڈریں
جو بھوک سے نہ مرے، ان کو اور کیا لائے
جو موت سے نہ ڈریں پھر کسی سے کیوں وہ ڈریں
اسی کرم کا صلہ ہے یہ زخم جسم پہ ہیں
کہ چومتی ہیں ترے زخم کو مری نظریں

نعیم صدیقی

ابن عبارت فلاح

شہداء بالاکوٹ کا وارث

یوسف صدیقی مرحوم

اپنی ذات میں خود انجمن

کل ہند مسلم مجلس مشاورت کے جنرل سکریٹری، اسلامک پبلیکیشنز بورڈ کے سکریٹری، پندرہ روزہ ریڈینس کے سابق مدیر منتظم اور چیف ایڈیٹر، کل ہند فلسطین کانفرنس کے سکریٹری، رکن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ایکشن کمیٹی اور جماعت اسلامی ہند کی مرکزی شوریٰ کے ایک قابل فخر ممبر — شیخ محمد یوسف مرحوم خود اپنی ذات میں ایک انجمن، صدق و خلوص اور ہمدردی و تقویٰ کی جیتی جاگتی تصویر، تمام اعزازات اور خطابات سے برتر۔

مرحوم کی کوششوں اور سرگرمیوں، ملک و ملت اور بین الاقوامی مسائل سے ان کی دلچسپی اور اس کے لئے شبانہ روز دوڑ دھوپ، علی گڑھ سے لیکر فلسطین تک سارے جہاں کا درد اپنے ہی جگر میں محسوس کرنا، تحریک اسلامی ہند سے لیکر بین الاقوامی تحریکات تک میں شمولیت اور ان کی جاں سپاری و فدا کاری کا اندازہ ان خطابات سے تھوڑا بہت تو کیا جا سکتا ہے پورا اندازہ کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ بس آپ کی تعریف بلکہ تعارف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ یوسف ہند تھے۔ تحریک اسلامی جن کا بدل اب تک نہ مل سکا اور ایک زبردست خلا نظر آتا ہے۔

بالاکوٹ کا گرم خون

مرد مجاہد یوسف صدیقی ۲ر مارچ ۱۹۰۸ء کو دہلی کے قریب باغپت میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق اسلام کے لئے سب کچھ قربان کر دینے والے اس گھرانے سے ہے جس نے سید احمد شہید کی قیادت میں اپنی جانوں کا نذرانہ خدا کے حضور پیش کیا۔ آپ کے دادا حافظ وجیہ الدین باغپتی نے

...نے قائد سید شہید کے پرچم تلے کندھے سے کندھا ملا کر جنگ کی۔ مجاہدین کا یہی وہ فدا کارانہ عظیم کارنامہ ہے جس نے پوری دنیا کے مسلمانوں میں جذبۂ شہادت ابھار دیا، دور صحابہ کی یاد تازہ ہو گئی اور جس نے ... کے "مرد مومن" کی جیتی جاگتی تصویر دنیا کے سامنے پیش کر دی۔

اپنوں کی غداری اور کچھ دوسرے اسباب و عوامل کی کارفرمائی کی وجہ سے سید احمد شہید کی یہ مہم ناکام ہو گئی۔ قائد اور سید اسماعیل شہید کی شہادت کے بعد مجاہدین کا قافلہ سندھ ہوتے ہوئے ... ٹونک دار الحکومت پہونچا جس کی دعوت سید شہید کے ایک سرگرم مداح نواب وزیر الدولہ نے دی تھی۔ اس طرح حافظ وجیہ الدین نے ٹونک میں سکونت اختیار کر لی اور ان کے آخری صاحبزادے محمد یعقوب صدیقی — محمد یوسف صدیقی کے والد — ٹونک کی انتظامیہ میں عزت و احترام کے مقام رفیع پر فائز ہو گئے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی کا ہونہار شاگرد

یوسف مرحوم نے اپنی ابتدائی تعلیمات مولانا مناظر احسن گیلانی سے حاصل کی۔ آپ گیلانی مرحوم کے ہونہار شاگردوں میں سے تھے۔ بچپن ہی سے یوسف سے انھیں بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ ... عربی اور فارسی کی تعلیم ایک افغانی استاد سے حاصل کی۔ اس طرح بچپن ہی سے عربی اور فارسی سے ... لگاؤ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے قرآن و سنت کی تعلیم اس کے اصلی ماخذ سے راست طور سے حاصل کی جس کی وجہ سے کردار کی پختگی، افکار و خیالات میں حد درجہ پاکیزگی، بصیرت و بصارت اور اقامت دین سے واقعی دلچسپی پائی جاتی تھی۔ اور جو کوئی بھی تحریک اقامت دین کی خدمت کرنا چاہتا ہے اس میدان میں کارہائے نمایاں انجام دینا چاہتا ہے اسے انہی ماخذ سے براہ راست رجوع کرنا چاہئے۔

تحریک عدم موالات پر لبیک

ابھی یوسف صاحب ۱۸ برس کے نوجوان تھے ایف ایس سی فائنل کے طالب علم تھے اور ... غرض تعلیم لندن کے لئے پر تول رہے تھے کہ گاندھی جی نے تحریک عدم موالات شروع کی اور طلبہ سے تعلیمی اداروں کو چھوڑ دینے کا مطالبہ کیا۔ شیخ یوسف صدیقی ان ۱۲۶ طلبہ میں سے تھے جنہوں

... کے لئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو چھوڑ دیا۔ انھوں نے ۱۹۲۰ء کے کانگریس کے تاریخی اجلاس ناگپور میں شرکت کی۔

دور جدید کے نصاب تعلیم اور نظم و ضبط کا سنگم جامعہ ملیہ اسلامیہ جس نے ملت ہند کی ... ایک منفرد ادارہ ہے اس کی بنیاد ڈالنے والوں میں یوسف صدیقی مرحوم بھی تھے۔ یہ انگریزی ... اب محض جدیدیت اور اسلامی نظام حیات کے تحلیل ہو چکے میں ثابت کا پیوند لگا دیا گیا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں ترکوں کے مطالعہ و مشاہدہ کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کے ... وفد میں بھی بھیجے گئے۔ اس سے آپ کی معاملہ فہمی اور سیاسی و صحافتی تجربہ کاری اور لوگوں کا آپ کے اوپر بھروسہ اعتماد کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کو گاندھی جی، پنڈت جواہر لال نہرو اور ڈاکٹر ذاکر حسین جیسے مشہور سیاستدانوں کے ساتھ مل بیٹھنے اور کام کرنے کے مواقع بھی میسر آئے جب بھگت سنگھ نے پارلیمنٹ میں بم پھینکا اس وقت بھی آپ وہاں موجود تھے۔ سیاست آپ کے رگ و ریشے میں سرایت کر چکی تھی۔

ترجمان القرآن، دل کی آواز

مولانا مودودی جن کے جادو نے دنیا کی ایک کثیر تعداد کو اپنے شکنجے میں کسا اور ان کے خیالات و افکار کو پڑھ کر ... آرزوؤں اور امنگوں اور دھڑکنوں کی سمت تک تبدیل ہو گئی۔ یوسف صدیقی بھی اس جادو کے اثر سے نہ بچ سکے۔ خود ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں "مولانا مودودی نے ترجمان القرآن میں جو کچھ لکھا، میرے دل کی آواز بن گیا"۔ جماعت اسلامی کی تشکیل کے بعد وہ اس کے ممبر ہو گئے اور ... تاحیات اس کی مرکزی مجلس شوریٰ کے سرگرم رکن رہے۔

ریڈینس کی ادارت

مدیر منتظم کی حیثیت سے آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اسلامی پبلیکیشنز ... پندرہ روزہ ریڈینس اپنی تمام تابانیوں اور خوشنمائیوں کے ساتھ جولائی ۱۹۶۳ء میں منظر عام پر آیا جس نے بہت جلد اپنے قارئین کے ذہنوں میں اپنا مقام اور ... حیثیت پیدا کر لی۔ پھر ۱۹۷۵ء میں جب

ریڈینس کے چیف ایڈیٹر مسٹر اے۔ اے۔ رؤف دل کی بیماری کا شکار ہوئے اور ادارت کی ذمہ داری سنبھالنے کے قابل نہ رہے تو یوسف صدیقی مرحوم کو چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے آگے بڑھایا گیا۔ اب اس اخبار کی پوری ذمہ داری آپ کے کندھوں پر آ گئی۔

یہ آپ کی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال اور شبانہ جد وجہد اور جانفشانی کا نتیجہ تھا کہ ریڈینس اب صرف ملک کے طول و عرض ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان سے باہر تیس ممالک میں اس کی بیباکانہ آواز گونج رہی ہے اور اسلامی موضوعات اور ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل پر اس کے حوالے دیئے جاتے اور مضامین دوسرے اخبارات میں نقل کئے جاتے ہیں۔ اس کی آواز میں اعتماد، عزم اور آہنی ارادوں کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں۔ اسلامی جذبہ سے سرشار مقالات، خبروں کی ترتیب اسلامی نقطۂ نظر سے اور واقعات و حادثات اور سیاسی اتھل پتھل کا سائنٹفک تجزیہ اس پندرہ روزہ کی خصوصیات ہیں۔ آج جب کہ انگریزی صحافت باطل سے مرعوبیت، لسانی و نسلی عصبیت اور فرقہ وارانہ مسائل اور قومی باتوں میں الجھ کر رہ گئے ہیں اور عدل و انصاف، صدق و وفا اور حیا کی آزادی کا دامن ان کے خنجر خونیں سے تار تار ہو چکا ہے اور سرخ و سفید سامراج اور "پراچین بھیتا" کے احیاء کے علمبرداروں نے صحافت کو اور زیادہ گندی اور متعفن بنا دیا ہے، ہر قوم اور ہر ملک کے ساتھ سچائی بے لاگ حقیقت نگاری اور بغیر عصبیت کے مسائل کا تجزیہ انگریزی صحافت میں صرف ریڈینس کا حصہ رہا ہے۔ اور اس کے قارئین کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس اخبار نے سستی ذہنی عریانیت، جذباتی اپیلوں اور قومیت و وطنیت کے جام تلخ پلا کر عوام کو مدہوش کرنے کی کوشش نہیں کی، اپنی تعداد اشاعت بڑھانے کے لئے کسی پارٹی یا فرد یا سربراہ حکومت کی کاسہ لیسی نہیں کی اور نہ ہی فلمی و جنسی غیر اخلاقی اشتہارات چھاپے۔ نہ کسی برسر اقتدار جماعت کے رعب و دبدبے میں آکر صدق و امانت کا دامن ہاتھ سے چھوڑا بلکہ اس کی ہمیشہ سے یہ پالیسی رہی کہ

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

یہ سب دراصل یوسف صدیقیؒ کے اصولوں کی پابندی اور اسلامی آئین کی پاسداری کا مرہون ہے۔ ہمیشہ محتاط، کریم النفس اور مسائل کے حل میں سرگرداں رہنے والا یہ مرد مجاہد

ایک بہترین صحافی تھا۔ حالات و واقعات کے مستقبل پر جسکی گہری نظر تھی جنھوں نے اپنے ماتحتوں پر کبھی رعب جمانے یا ان پر اپنی شخصیت کی دھاک بٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ انھیں اپنا رفیق و دمساز اور دوست و مددگار تصور کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ادارہ کے جملہ ملازمین ہمیشہ ان سے خوش رہے ان کی پاکباز و پاک فطرت طبیعت کے قائل رہے اور آج بھی آپ ان میں کے ادنیٰ ملازم کے سامنے یوسف صدیقیؒ کا تذکرہ چھیڑ دیجئے تو وہ موصوف کی خوبیوں اور صلاحیتوں کو بیان کرنے میں بخل سے کام نہ لے گا۔

حاضر جوابی و بذلہ سنجی میں بے مثال تھے لیکن محفل کے آداب اور احترام و تعظیم کو بھی پیش نظر رکھتے۔ وہ دوسروں کو رلا کر یا ان کا دل دکھا کر خود لطف اندوز ہونے کے قائل نہ تھے جیسا کہ عام طور پر لطیفہ گوئی میں ہوتا ہے بلکہ ان کی حاضر جوابی اور لطیفہ گوئی کی تان نظریات و افکار پر ٹوٹتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ریڈنیس کا کالم (Between you and me) "درمیان من و تو" بہت ہی معروف اور کثیر المطالعہ تھا۔

جدید و قدیم کا سنگم

یوسف صدیقیؒ جدید و قدیم کا بہترین سنگم تھے خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدِرَ (جو عمدہ ہو لے لو اور جو خراب ہو اسے چھوڑ دو) ارشاد نبوی کی تعمیل میں پیش پیش تھے۔ اس وقت کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ قدامت پرستی کے علمبردار تہذیب جدید کی اچھائیوں تک کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ دوسری طرف تہذیب نو کے پرستاروں نے قدامت پرستی کے ایک ایک تار کو نوچ کر پھینک دیا ہے حتیٰ کہ خدا اور رسول کا تصور بھی ان کے نزدیک داستان پارینہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بہرکیف صدیقی مرحوم ایک طرف قرآن و حدیث کا گہرا علم رکھتے تھے براہ راست شریعت کے اسرار و رموز پر آپ کی عمیق نظر تھی، دین کی روح اس کے ماخذ سے آپ نے سمجھا تھا تو دوسری طرف سیاست کی وادیوں کے پیچ و خم سے بھی واقف تھے اور خبروں کی پیش بینی، ان کے پس منظر و مستقبل کا تجزیہ و ادراک میں خاص مہارت تھی یہی وجہ ہے کہ قدیم و جدید دونوں ہی حلقوں نے آپ کو سراہا اور آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔ آپ کے حلقہ احباب میں ایک طرف علماء و مفکرین اور مذہب پرست حضرات

اور ایک مسلم کی حیثیت سے زندگی گزاریں اور ایمان کی حالت میں انھیں موت بھی آگئی۔

انھوں نے اپنے حلقہ رفاقت پر زبردست اثرات چھوڑے۔ ان کے اعلیٰ کردار کے معترف ان کے جملہ پسماندگان ہیں۔ مرحوم "انما المومنین اخوۃ" اور "رحماء بینھم" کی مکمل تصویر تھے۔ دوسری طرف ایک خوش بیان مقرر اور اثر انگیز خطیب بھی تھے۔

یوسف میاں کی یاد میں

بالاکوٹ کے شہیدوں کا یہ حقیقی وارث اپنی زندگی بھر سید احمد شہیدؒ کے مشن کی تکمیل میں لگا رہا۔ اس نے اپنی پوری زندگی اس مشن کے لئے وقف کردی اور اس طرح وراثت کا حق ادا کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کے تمام تعلیمی اداروں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ۲ مئی کو "یوسف میاں" کی یاد میں تعزیتی محفلیں منعقد کی جائیں اور ان کے کارناموں کو سراہا جائے اور نوجوانوں کے سامنے ان کی زندگی کو نمونہ کے طور پر پیش کیا جائے تاکہ وہ بھی اس بحر ذخار سے فیض حاصل کرسکیں گے

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

منجانب
نیو اعظمی بیکری

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کر دے

اعلیٰ قسم کی نان خطائیاں بنانے والے

فون: ۳۳۵۹۲۸
۱۲۷ ابراہیم رحمنٹ روڈ، مینارہ مسجد، بمبئی ۴۰۰۰۰۳

تھے تو دوسری طرف وکلاء، سرکاری آفیسران، سیاسی پارٹیوں کے چوٹی کے لیڈران اور مختلف سیاسی ذہن رکھنے والے جدید تعلیم یافتہ لوگ تھے اور دونوں ہی گروہ کے افراد مرحوم کو اپنے سے زیادہ قریب سمجھتے تھے۔

یوسف صدیقی — دو ٹانگوں پر متحرک مشین — ۱۹۶۲ء میں عرق النساء اور نقرس کے مستقل مرض میں مبتلا ہوگئے۔ پھر بھی ہر وقت جسمانی و بدنی افعال اور دوڑ دھوپ کے لئے مستعد اور سرگرم نظر آتے تھے۔ آپ کی شرکت کے بغیر ملک کے کسی بھی گوشے میں کسی بھی کل ہند مسلم اجتماع کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔

زنداں میں اذان

آپ نے زندگی کے نشیب و فراز کا گہرا مطالعہ کیا۔ دو بار ریاست ٹونک سے شہر بدر کئے گئے اور متعدد بار قید و بند کی سزائیں بھی بھگتیں اور وہ بھی بلاجرم۔ لیکن کبھی دماغی توازن و اعتدال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ انبالہ میں جب دوسری بار دل کا دورہ پڑا تو چندی گڑھ اسپتال میں دم رخصت ہر فرد موجود کی آنکھوں میں آنسو تھے لیکن مرد مجاہد کی شانِ عزیمت ملاحظہ ہو یہ سب کو تسلی دے رہا تھا انھیں اپنی صحت مندی کا یقین دلا رہا تھا اور صبر و عزیمت کی راہ اختیار کرنے اور راہِ حق پر گامزن رہنے کی نصیحت کر رہا تھا۔

ان کی زندگی و کردار کا نمایاں وصف ان کی عالی حوصلگی اور وسیع القلبی تھی، مسائل و حوادث پر صبر جمیل کی روش اپنانے کی صفت آپ کی زندگی کی امتیازی خوبی تھی۔ انتظامی صلاحیت تو شک و شبہ سے بالاتر تھی، ہر ایک ان کی تنظیمی و اجتماعی صلاحیتوں کا دل سے قائل تھا۔ دوسروں سے کام لینے کا حیرت انگیز طریقہ انھیں معلوم تھا ان کے جادو بھرے کردار کا ہر ایک معترف اور شمشیر اخلاق کا گھائل تھا۔

جیل جانے کے لئے ہر وقت تیار رہتے۔ ایک سوٹ کیس، قرآن، کچھ کتابوں اور چند جوڑے کپڑوں پر مشتمل ہر وقت موجود ہوتا تاکہ جیل جاتے وقت پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ انبالہ جیل میں داخل ہوتے وقت انھوں نے اپنے تمام ساتھیوں اور دوستوں کو نصیحت کی کہ وہ تحریری طور پر احتجاج کریں

صبر و عزیمت کا کوہِ گراں

سید امین الحسن رضوی
— چیف ایڈیٹر ریڈینس دہلی —

مرحوم یوسف صدیقی صاحب، ان چند افراد میں سے ہیں جن کی شخصیت سے میں بہت متاثر ہوں۔ آج! جب میں مرحوم کی جگہ ریڈینس کا ایڈیٹر ہوں تو اس بات کے اظہار میں مجھے کوئی تکلف نہیں کہ اس کرسی پر بیٹھے ہوئے جس پر مرحوم بیٹھا کرتے تھے جب بھی مجھے مرحوم کا خیال آیا ہے تو لازماً یہ احساس بھی ہوا ہے کہ میں یوسف صدیقی صاحب مرحوم کا ایک نا اہل جانشین ہوں:

I AM AN UNWORTHY SUCCESSOR TO HIM

یوسف صدیقی صاحب مرحوم سے میری پہلی ملاقات کا حال عجیب سا ہے۔ ہماری پہلی ملاقات بس اس طرح ہوئی کہ انھوں نے مجھے دیکھا اور میں نے انھیں اور بس۔ نہ تعارف ہوا اور نہ کوئی بات چیت ہو سکی۔ یہ اواخر اگست یا اوائل ستمبر ۱۹۵۶ء میں یورپ میں ایک سال کے قیام کے بعد میں ہندوستان واپس ہوا تو وطن جانے سے پہلے دہلی آیا اور مرکز جماعت اسلامی میں قیام کیا۔ اس وقت جماعت کا مرکزی دفتر اس عمارت میں تھا جس میں اب روزنامہ "دعوت" کا دفتر ہے۔ میں شب میں کسی وقت دہلی پہنچا تھا۔ صبح کو مولانا ابو اللیث صاحب (جو اس وقت امیر جماعت تھے) کے ساتھ ناشتہ کیا اور پھر ان کی نشست کے کمرہ میں ایک کرسی پر بیٹھ کر کوئی کتاب دیکھنے لگا اور مولانا ابو اللیث صاحب اپنے دفتری کام میں مصروف ہوگئے۔

کچھ دیر بعد مرحوم یوسف صدیقی صاحب مولانا کے کمرہ میں آئے۔ انھیں کسی چیک پر مولانا ابو اللیث کے دستخط لینا تھے۔ میں نے دیکھا ایک خوش وضع، خوش پوشاک اور خاصی وجیہ شخصیت

کے مالک یوسف صدیقی صاحب (جنھیں میں پہچانتا نہ تھا) نہایت شائستگی اور ادب کے ساتھ مولانا ابواللیث صاحب سے گفتگو کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد مولانا ابواللیث صاحب نے چیک پر دستخط کر دیئے اور چیک یوسف صدیقی صاحب کو دیتے ہوئے اٹھ کر ان کے ساتھ ہی کسی کام سے کمرے سے باہر چلے گئے۔ جب یوسف صدیقی صاحب باہر جا رہے تھے تو میں نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور مولانا ابواللیث صاحب کے ساتھ باہر چلے گئے۔

محظوظ بھی متاسف بھی

چند منٹ بعد جب مولانا ابواللیث صاحب کمرہ میں واپس آئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ ابھی جو صاحب آپ کے پاس آئے تھے وہ کون تھے۔ مولانا نے چونک کر پوچھا "ارے کیا آپ کا ان سے تعارف نہیں ہے" میں نے کہا جی نہیں۔ تو مولانا محظوظ بھی ہوئے اور متاسف بھی۔ محظوظ تو اس اتفاق پر کہ جن کے مضامین ریڈینس کے پہلے شمارے سے ریڈینس میں شائع ہوتے رہے اور جو یورپ سے ریڈینس کے لئے مسلسل مضامین لکھتا رہا، ریڈینس کے ایڈیٹر سے متعارف نہیں۔ اور متاسف اس بات پر کہ باتوں کی رو میں یوسف صدیقی صاحب سے میرا تعارف کرانے کا خیال انھیں نہ رہا اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم باہم متعارف ہیں۔

میں کچھ دیر کے بعد ریڈینس کے دفتر گیا۔ مولانا ابواللیث صاحب نے مرکز سے کسی صاحب کو راہ نمائی اور تعارف کے لئے میرے ساتھ کر دیا تھا۔ ان دنوں ریڈینس کا دفتر جامع مسجد سے قریب کٹرہ گوکل شاہ کی ایک چھوٹی سی عمارت میں تھا۔ وہاں یوسف صدیقی صاحب سے تعارف ہوا اور باتیں ہوئیں۔ انھوں نے خواہش کی کہ میں اپنے قیام یورپ کے تاثرات ریڈینس کے لئے لکھوں اور میں نے وعدہ بھی کر لیا۔ لیکن دہلی سے وطن واپس پہنچتے ہی جلد ہی میری نظر بندی عمل میں آگئی جس کی وجہ سے میں اپنے وعدہ کا ایفاء نہ کر سکا۔

میری دوسری ملاقات مرحوم سے اس وقت ہوئی جب میں ۱۹۶۶ء میں ریڈینس میں بحیثیت معاون ایڈیٹر کام کرنے کے لئے دہلی آیا۔ اس سلسلہ میں میرا پہلا خوشگوار تجربہ یہ تھا کہ جب میں ٹرین سے نئی دہلی کے اسٹیشن پر اترا تو دیکھا کہ مرحوم مجھے لینے کے لئے پلیٹ فارم پر موجود تھے۔

قدرتی طور پر ان کے اس حسن اخلاق کا میرے دل پر بہت اثر ہوا۔

دہلی میں ان کے ساتھ میں نے کچھ کم دو برس کام کیا پھر بعض مجبوریوں کے سبب میں وطن واپس چلا گیا۔ لیکن مرحوم کی اس مختصر عرصہ کی رفاقت میری زندگی کا دل خوش کن سرمایہ ہے۔

اس کے بعد مرحوم سے میری ملاقات سنہ ۱۹۶۸ء میں ہوئی جب میں ہانگ کانگ جاتے ہوئے دہلی آیا۔ اس وقت ریڈینس کا دفتر اس موجودہ عمارت (بارہ دری شیر افگن بلیماران) میں منتقل ہو چکا تھا اور اسی عمارت کے بالائی حصہ میں مرحوم کا قیام تھا۔ بہت محبت سے ملے بڑی دلسوزی سے ہندوستان کے حالات پر تبصرہ کرتے رہے۔ کافی دیر کی گفتگو کے بعد میں ان سے رخصت ہوا اور دوسرے دن میں بقصد ہانگ کانگ کلکتہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ ہانگ کانگ سے بھی میں نے ریڈینس کے لئے چند مضامین لکھے جن میں سے ایک تو بڑا اختلافی تھا لیکن مرحوم نے اسے شائع کر دیا اس پر ریڈینس کے صفحات میں کافی دنوں تک ہنگامہ مچا رہا۔

پھر میں جب اگست ۱۹۷۹ء کو مرکز جماعت میں کام کرنے کیلئے دہلی طلب کیا گیا تو چند دنوں بعد میرے قیام کے لئے ریڈینس کی عمارت میں ہی ایک حصہ دیا گیا اور میرا یوسف صدیقی صاحب سے مستقل ربط رہنے لگا، صبح مرکز جماعت جاتے ہوئے یا شام کو وہاں سے واپس ہو کر بیٹھے ان کے دفتر کے کمرے میں یا پھر ان کے رہائشی کمرہ میں تقریباً روزانہ ہی مرحوم سے ملاقاتیں ہوتیں اور مجھے یہ کہتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے کہ مرحوم کو مجھ سے خاص انس ہو گیا تھا اور ان سے میری عقیدت بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

جب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ایکشن کمیٹی نے علی گڑھ ایکٹ میں ترمیم کے تعلق سے دہلی میں ایک کل ہند کنونشن کرنا طے کیا تو مرحوم یوسف صدیقی صاحب نے مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت سے کہہ کر کچھ دنوں کے لئے مجھے اس کنونشن کے کام کے لئے فارغ کروا لیا اور مجھے اس کنونشن کی مجلس استقبالیہ کا سکریٹری بنا دیا گیا۔ اس طرح کچھ دنوں تک مجھے مسلسل مرحوم کے ساتھ کام کرنے کا موقع حاصل ہوا۔

اس کے بعد مسلم مجلس مشاورت کا ایک کل ہند اجلاس دہلی میں ہوا۔ یوسف صدیقی صاحب مرحوم مجلس مشاورت کے سکریٹری جنرل تھے۔ اس اجلاس کی تیاریوں کے لئے بھی صدیقی صاحب

مرحوم نے مجھے اپنے ساتھ شریک رکھا۔ اس طرح مجھے ایک اور موقع ان کے ساتھ کام کرنے کا ملا۔

ایمرجنسی کے اسیر

۲۵ر جون ۱۹۷۵ء کو کسی وقت ملک میں ایمرجنسی کے نفاذ کے اعلان پر صدر جمہوریہ فخر الدین علی احمد صاحب مرحوم نے دستخط کئے۔ جس کی اطلاع ۲۶ر جون کو صبح کے اخبارات سے دہلی اور ملک کو پہنچی لیکن حکومت نے ۲۵ اور ۲۶ جون کی درمیانی شب میں ہی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چنانچہ رات میں بارہ بجے کے قریب ریڈینس کی عمارت کے دروازے کو پولیس نے کھٹکھٹایا اور دروازہ کھلنے پر اندر داخل ہو کر بتایا کہ یوسف صدیقی صاحب اور ریڈینس کے منیجر عبد الوحید خاں صاحب کو گرفتار کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یوسف صدیقی صاحب تیسری منزل پر سو رہے تھے میں نے پولیس والوں سے گفتگو کی اور جاکر یوسف صدیقی صاحب کو جگایا اور انھیں بتایا کہ پولیس انھیں گرفتار کرنے کے لئے آئی ہے۔ مجھے ان کا جملہ یاد ہے جو انھوں نے یہ اطلاع سن کر کہا تھا۔ کہنے لگے "عجب مسخرے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے"۔ خوف یا پریشانی کا شائبہ بھی نہیں۔ مجھے کہا میں نیچے جاکر پولیس والوں سے کہدوں کہ تیار ہو کر ابھی آتے ہیں پھر دوسری منزل پر آئے جہاں ان کا سامان رہتا تھا۔ بڑے سکون اور دلجمعی کے ساتھ مختصر سا سامان تیار کیا اور ایک بار پھر سنت یوسفی ادا کرنے کے لئے یوسف صدیقی صاحب بالکل ہشاش بشاش نیچے آگئے اور پولیس والے بڑے احترام کے ساتھ انھیں اپنے ساتھ لے گئے اس سلسلہ کی ایک خاص قابل ذکر بات یہ ہے کہ ۲۵ر تاریخ کو ہی شام میں مغرب کے بعد میرا منجھلا لڑکا راشد حسنین (جس کی عرفیت عرفان ہے) یوسف صدیقی صاحب کے کمرہ میں گیا (میرے بچے ان کے پاس آتے جاتے رہتے تھے جن سے وہ بڑی شفقت کا برتاؤ کرتے تھے) اس وقت صدیقی صاحب کے پاس کافی اخبارات بکھرے ہوئے تھے اور وہ ٹیلیفون پر کسی سے گفتگو کر رہے تھے۔ بات ختم کر کے انھوں نے ٹیلیفون رکھا اور میرے لڑکے سے کہا "عرفان میاں انقلاب آئیگا۔ اس ملک میں انقلاب آکر رہے گا"۔

دوسری شب ریڈینس کے اسسٹنٹ ایڈیٹر سید احسان سعید دہلوی صاحب کو گرفتار کیا گیا اور ۲۹ اور ۳۰ جون کی درمیانی شب میں مجھے، ریڈینس کے اکاؤنٹنٹ احمد علی صاحب اور

اور ٹائپسٹ صلاح الدین صاحب کو گرفتار کیا گیا اور ریڈینس کے دفتر کے تمام کمروں پر تالے لگا کر ان پر مہر لگا دی گئی۔

ہم لوگوں کو دہلی کے تہاڑ جیل میں رکھا گیا (جہاں جماعت اسلامی کے امیر مولانا محمد یوسف صاحب اور دیگر اکابرین جماعت تھے) لیکن یوسف صدیقی صاحب کو مولانا افضل حسین صاحب قیم جماعت، مولانا محمد مسلم صاحب (ایڈیٹر دعوت) اور عبد الوحید خاں صاحب (منیجر ریڈینس اور امیر مقامی) کے ساتھ میسا MISA کے تحت انبالہ جیل منتقل کر دیا گیا۔ وہاں صدیقی صاحب پر دو دفعہ زبردست ہارٹ اٹیک ہوا تو حکومت نے انھیں غیر مشروط طور پر رہا کر دیا۔

اس عرصہ میں اپنی گرفتاری کے خلاف میں نے ہائی کورٹ میں کارروائی کر دی تھی۔ ہائی کورٹ نے میری رہائی کے احکام کر دیئے اور میں ہائی کورٹ ہی سے ایک آزاد شہری کی حیثیت سے سڑک پر آگیا میرا خیال تھا وہ وہیں ہونگے لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ وہاں نہیں ہیں بلکہ ریڈینس کی عمارت میں ہیں چنانچہ میں سیدھا آگیا۔ پہلے ان سے ملاقات کی۔ انھوں نے اٹھ کر مجھے گلے لگایا۔ مجھے ان کی صحت کی طرف سے فکر تھی لیکن بفضل خدا انھیں اپنے اندیشوں کے مقابلہ میں بہت بہتر پایا۔ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر میں اپنے گھر میں آگیا۔

دوسرے دن میں ہمارے حلقہ کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ شریف الحسن نقوی صاحب سے ملنے گیا اور ان سے جماعت کے افراد کی گرفتاری اور یوسف صدیقی صاحب کے ذاتی بینک اکاؤنٹ کو منجمد کئے جانے کے سلسلہ میں گفتگو کی اور بتایا کہ یوسف صدیقی صاحب ان سے ملنا چاہتے ہیں لیکن دشواری یہ ہے کہ نقوی صاحب کا دفتر دوسری منزل پر تھا اور صدیقی صاحب کو سیڑھیاں چڑھنے سے گریز کرنے کی ڈاکٹروں نے ہدایت کی تھی۔ نقوی صاحب ازراہ اخلاق اس بات کیلئے آمادہ ہوگئے کہ وہ دوسرے روز شام کو مکرمی شوکت علی فہمی صاحب (ایڈیٹر دین و دنیا) کے مکان پر آجائیں گے اور میں یوسف صدیقی صاحب کو وہاں لے آؤں تاکہ تفصیلی گفتگو ہو سکے حسب پروگرام دوسرے روز شام کو میں اور یوسف صدیقی صاحب، شوکت علی فہمی صاحب کے مکان پر گئے جہاں نقوی صاحب بھی آگئے یوسف صدیقی صاحب نے نہایت متانت اور معقولیت کے ساتھ نقوی صاحب کو جماعت کے بارے میں بتایا اور واضح کیا کہ ارکان اور وابستگان جماعت کو گرفتار رکھ کر حکومت کس قدر غیر

دانش مندانہ حرکت کر رہی ہے۔

طے یہ ہوا کہ دوسرے دن کچھ کاغذات اور یوسف صدیقی صاحب کے بینک اکاؤنٹ کو واگذاشت کرنے کی درخواست لے کر میں نقوی صاحب سے ان کے دفتر میں ملوں، میں اور یوسف صدیقی صاحب گھر آ گئے۔ رات دیر تک کاغذات تیار کرتے رہے۔ لیکن دوسری صبح کو مجھے پھر گرفتار کر لیا گیا۔ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں کہ اس کے بعد میری پھر ان سے ملاقات ہوئی یا نہیں اس لئے کہ میرے رہا ہونے اور پھر گرفتار کئے جانے کا سلسلہ وقفہ وقفہ سے چلتا رہا اور یوسف صدیقی صاحب اپنے وطن ٹونک چلے گئے اور ۵ مئی [illegible]ء کو وہاں ان کا انتقال ہو گیا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بانیوں میں

مرحوم کی ابتدائی زندگی کے حالات سے میں کچھ زیادہ واقف نہیں۔ ان کا آبائی وطن باغپت تھا۔ ان کے والد مولوی یعقوب صدیقی صاحب بہ سلسلہ ملازمت ریاست ٹونک آئے۔ کچھ دنوں بعد نواب صاحب ٹونک کا ان پر عتاب ہوا اور انہیں ٹونک چھوڑنا پڑا۔ کچھ عرصہ بعد نواب ٹونک کی ناراضگی رفع ہو گئی اور یہ خاندان پھر ٹونک چلا گیا۔ یوسف صدیقی صاحب کی تعلیم علی گڑھ میں ہوئی لیکن بی اے کرنے سے قبل ہی گاندھی جی کی تحریک پر علی گڑھ چھوڑ دیا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالنے والوں میں شامل ہوئے۔ پھر بہ سلسلہ کاروبار چند سال جاوا (انڈونیشیا) میں گذارے۔ وہاں سے واپس ہو کر نواب صاحب ٹونک کی ملازمت میں داخل ہوئے جہاں ان کا عہدہ غالباً مہتمم محلات کا تھا اور انہیں دربار ٹونک سے کچھ خطابات بھی [illegible] اور نواب خاندان ان کی بہت عزت کرتا تھا۔

یوسف صدیقی صاحب جماعت اسلامی کے [illegible] اور کس طرح بنے؟ یہ تو مجھے معلوم نہیں البتہ اتنا معلوم ہے کہ وہ جلد ہی مرکزی مجلس شوریٰ [illegible] شامل ہو گئے تھے اور آخر وقت تک مسلسل رکن منتخب ہوتے رہے۔ مجھے یاد ہے کہ [illegible] دفعہ جدہ میں مولانا طفیل محمد صاحب امیر جماعت اسلامی پاکستان سے یوسف صدیقی [illegible] کے سب سے چھوٹے صاحبزادے عقیل یوسف صدیقی صاحب کا تعارف کرایا اور بتایا کہ یہ یوسف صدیقی صاحب مرحوم کے

صاحبزادے ہیں تو طفیل محمد صاحب نے بڑی شفقت سے عقیل صاحب کو گلے لگایا اور بتایا کہ یوسف صدیقی صاحب ایک دفعہ پٹھان کوٹ گئے تو وہ اور طفیل محمد صاحب ایک ساتھ ٹھہرے تھے اور وہاں یوسف صدیقی صاحب نے اپنا لوٹا طفیل صاحب کو دیا تھا جو ان کے پاس اب تک محفوظ ہے۔

مرحوم بہت خوش وضع، خوش پوشاک، خوش طبع اور خوش ذوق تھے۔ نفاست طبع اور خوش خلقی ان کا خاص وصف تھا۔ ان کے ساتھ رہ کر اور کام کر کے مجھے اندازہ ہوا کہ ان کے اندر فنکارانہ صلاحیت بے پناہ تھی جس سے جو چاہتے کام لیتے اور اس انداز سے کہ کام کرنے والا خوش دلی سے ان کا کام کرتا۔ خود بھی بہت محنتی تھے اور بہت باحوصلہ بھی اور اپنی دلآویز شخصیت کے اثر سے اپنے رفقاء کار کی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے تھے۔ یہ وصف کم لوگوں میں ہوتا ہے۔

مسئلہ مسلم یونیورسٹی کا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مسئلہ سے مرحوم کو قلبی لگاؤ تھا اور اس سلسلہ میں مرحوم نے جد و جہد میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جب سپریم کورٹ میں اس معاملہ میں رٹ داخل کرنا طے ہوا تو مرحوم نے اس کی تیاری کے لئے بہت دوڑ دھوپ کی اور دہلی اور علی گڑھ کی لائبریریوں سے اس سلسلہ میں نہایت قیمتی مواد فراہم کیا۔ نہایت قابل وکلاء کی خدمات حاصل کیں اور جتنے دن سپریم کورٹ میں اس مقدمہ پر بحث ہوتی رہی ہم لوگ روزانہ سپریم کورٹ جاتے رہے۔ لیکن بحث کے ابتدائی مرحلوں ہی میں ججوں کے رجحان کا اندازہ ہو گیا اور یوسف صدیقی صاحب کو کھٹک ہو گئی تھی کہ فیصلہ ہمارے موافق نہیں آئے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اس کے بعد اس لڑائی کو پارلیمنٹ میں لڑنا طے ہوا اور یوسف صدیقی صاحب کی ناقابل فراموش محنت اس تحریک کو موثر اور جاندار بنانے میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آج ان کی محنت ٹھکانے لگتی نظر آ رہی ہے لیکن افسوس ہے کہ مرحوم اپنی محنت کا ثمرہ دیکھنے کے لئے زندہ نہیں ہیں۔

عزیمت کا نمونہ

ہم نے اوپر تذکرہ کیا ہے کہ ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد حکومت نے بینک میں ان کے ذاتی

اکاؤنٹ کو بھی منجمد کر دیا تھا جب وہ رہا ہوئے تو انھیں اپنے علاج کے لئے رقم کی ضرورت تھی۔ اس سلسلہ میں کوششیں ہوتی رہیں، عدالتی کارروائی بھی کی گئی لیکن ان کی حیات میں اس کا تصفیہ نہیں ہو سکا

اس سلسلہ میں ۲۰ رمارچ ۱۹۷۶ء کو میرے ایک خط کے جواب میں مرحوم نے تحریر کیا۔

"اہلیہ کو کھانسی اور چکروں کی شکایت میں تو کافی افاقہ ہے مگر ضعف بڑھا ہوا ہے میری صحت بھی ان دنوں میں گری ہے، ضعف بڑھ گیا ہے۔ ٹانگوں نے بالخصوص بائیں گھٹنے نے جواب دے دیا ہے۔ چلنے میں کافی تکلیف دینے لگا ہے۔ تکلیف کے باوجود اگر چلوں تو دل پر اثر ہوتا ہے۔ صحت کی اس حالت میں سوچتا ہوں کیسے سفر کروں اور اگر دہلی پہنچوں تو وہاں کیا کام کرسکوں گا۔ اس لئے اس سے پہلے بھی لکھا تھا کہ صورت حال سے مجھے آگاہ کریں میرے آنے میں کوئی مفاد ہو تو ضرور آؤں گا .... قوم کی واگذاشت ہوسکے تو بھی مجھے دہلی آنے کی ہمت ہو ..... ورنہ بقول ذوق ؂

ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائیں گے کیا!

کسی پر بوجھ ڈالنا یا مطالبہ کرنا بالکل ناپسند ہے۔"

اس خط سے ان کی ہمت اور خودداری دونوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ اتنی تکلیف کے باوجود اگر ان کے دہلی آنے سے جماعت کے افراد کی رہائی وغیرہ کے بارہ میں کوئی مفید نتیجہ نکلنے کی امید ہو تو وہ دہلی کا سفر کرنے کے لئے تیار تھے ـــــ اور پھر ذوق کا مصرعہ ....

ریڈینس کی ذمہ داری کو مرحوم نے جس لگن اور محنت اور ایثار کے ساتھ نبھایا ہے وہ بس ان ہی کا حصہ تھی۔ کٹرہ گوکل شاہ کے چھوٹے سے مکان میں دفتر تھا اور اسی کے ایک چھوٹے سے کمرہ میں وہ رہا کرتے تھے۔ سردی، گرمی، برسات سب کچھ اس چھوٹے سے کمرہ میں گذارتے۔ دفتر کے مشترکہ طعام خانہ سے کھانا کھاتے جبکہ ٹونک میں ان کا اپنا بہت بڑا اور فراخ گھر تھا (میں نے دیکھا نہیں سنا ہے) علاوہ اہل خانہ کے کئی ملازمین تھے اور ہر طرح کا آرام اور شہر میں بڑی مقبولیت اور عزت ان کو حاصل تھی لیکن ان سب کو ترک کر کے وہ دفتر ریڈینس کے بس ایک کمرہ میں گذارہ کرتے تھے اور ریڈینس کے قدم جمانے میں منہمک رہتے تھے۔ مجھے معلوم ہے کہ ٹونک میں جو ان کی آراضی تھیں وہ یوسف صدیقی صاحب کی وہاں موجودگی اور نگرانی کی متقاضی تھیں لیکن ریڈینس کی ضرورتیں مرحوم کے پاؤں کی زنجیر تھیں اور اس کی

ضرورتوں کو انھوں نے اپنی ذاتی ضرورتوں پر ہمیشہ ترجیح دی۔

بذلہ سنجی

خوش مزاجی کی مثال میں ان کے ایک خط کا حصہ نقل کرتا ہوں۔ یہ خط انھوں نے مجھے ۱۱ مئی ۱۹۷۰ء کو دہلی سے لکھا تھا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں

"مجھے بہت خوشی ہے کہ آپ نے یاد کیا اور میرا اندیشہ غلط نکلا کہ" از دیدہ دور از دل دور"۔ ستاروں کا چکر ہے۔ پچھلے تین چار ہفتہ اسی آزمائش میں گذرے ہیں۔ تلک الایام نداولہا بین الناس صبرو رضا بالحمد کے کئی طریقے ہیں۔ الحمدللہ اب بہتر ہوں مگر انگوٹھے میں ابھی کسک ہے Gout (گٹھیا) کا اثر ہے، جاتا رہے گا۔ نہ جائے تو ایک رفیق زندگی ملا۔ اور یہ بھی سر پر سوار نہیں ہے بلکہ اللہ نے قدم بوسی کو بھیج دیا ہے۔ کہیں مغرور نہ کر دے ..."

جب ریڈینس کے لئے موجودہ عمارت خریدی تو میں نے انھیں مبارک باد کا خط لکھا۔ اسکے جواب میں مجھے لکھا (خط پر تاریخ درج نہیں ہے)

"جی ہاں اللہ کا شکر ہے نئی عمارت میں آگئے۔ دفاتر، ہیونگ ایجنسی اور رہائش سب اس میں سما گئیں۔ ابھی خاصی چھوٹی سی کالونی ہے۔ آپ دیکھیں گے تو بہت خوش ہوں گے۔ یہ سب اللہ کا فضل ہے۔ قرض کافی ہو گیا ہے۔ اب جلدی جھولی پھیلا کر نکلنے کا ارادہ ہے۔ اللہ دلوں کو کھولنے والا ہے۔ جب اتنا کچھ اس کے کرم سے ہوا ہے تو آگے بھی کیوں نہ امید رکھیں۔"

روزے تو مرحوم پابندی سے رکھتے ہی تھے لیکن رمضان میں وہ نفل عبادتوں اور تلاوت قرآن کا بھی بڑے شغف سے اہتمام کرتے تھے۔ ان کے والہانہ پن کا اندازہ میرے نام ان کے خط کے اس جملہ سے لگائیے "... رمضان شریف کی مبارکباد قبول فرمائیے۔ کیسا سستا ثواب ڈھیروں مل رہا ہے۔"

اللہ تعالیٰ مرحوم کی عبادتوں کو قبول فرمائے اور درجات عالیہ سے نوازے۔

حسرت ناک وفات

مجھے (؟) صدیقی صاحب کی موت ایک لحاظ سے بہت حسرت ناک محسوس ہوتی ہے۔ مرحوم کا انتقال [illegible] جب ان کا انتقال ہوا ہے صورتحال یہ تھی کہ جماعت اسلامی جس سے ان کی برسہا برس کی وابستگی تھی اور جس کی خاطر انھوں نے قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں وہ [illegible] تھی۔ ان کے سارے دیرینہ رفیق (رفقائے جماعت) جن سے ان کا برسوں کا ساتھ تھا وہ سب اسیر زنداں تھے۔ [illegible] جس کی آبیاری کے لئے انھوں نے بے حد مشقت اٹھائی اور ایثار کیا تھا [illegible] تھا۔ ان کے چھوٹے صاحبزادے (عقیل صدیقی) جن سے انھیں بہت محبت تھی [illegible] سعودی عرب میں تھے اور روزگار کے لئے پریشان تھے۔ گویا ہر وہ چیز جس کے لئے انھوں نے زندگی بھر محنت کی ان کے انتقال کے وقت اس کی حالت دگرگوں تھی ان کے قلب و ذہن پر ان باتوں کا کتنا گہرا اثر ہوا ہوگا، لیکن [illegible] ان کے آخری ایام میں ان سے مل نہیں سکا ہوں تاہم مجھے وثوق ہے کہ مرحوم کے حوصلے آخر وقت تک بلند رہے ہوں گے۔

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

ریڈی میڈ پوشاکوں
بچوں کے دیدہ زیب سوٹ
اور اسٹیشنری کیلئے تشریف لائیے
کوہ نور ڈریسز
مین روڈ، جھنڈا چوک
ہزاری باغ بہار - ٨٢۵٣٠١

دوبارہ یتیم ہوگیا ہوں

سید اوصاف سعید (؟)
نائب ایڈیٹر — ریڈینس

بہت سے بڑے لوگوں نے قابل ذکر کام کئے ہیں۔ لیکن ان میں سے چند ہی تھے جو "[illegible]" پر کسی وقت میں مبتلا نہیں ہوتے تھے، وہ "سکوت سخن شناس" پر [illegible] نہیں تھے۔ گرامی قدر صدیقی صاحب مرحوم انہی چند میں سے ایک تھے۔

موصوف کے اجداد سید احمد شہیدؒ کے رفقاء میں تھے۔ لیکن [illegible] کی چیز کبھی کسی سلطان کے منہ سے نہیں سنی۔ عالی ظرفی ان کی شخصیت کی نمایاں صفت تھی [illegible] کرنا پڑتا تھا۔ انھوں نے مخاطب کی سطح پر اتر کر میری یادداشت میں کبھی جواب نہیں دیا۔ یہ صفت ان کی شخصیت کی دلآویزی کو دوآتشہ کرتی تھی۔ صدیقی صاحب کا اعزاز یہ تھا کہ مولانا مودودی مرحوم نے بغیر موصوف کی درخواست کے ان کو رکن جماعت اور شوریٰ کا رکن بنا دیا تھا۔

وہ اپنی منتظمانہ صلاحیت کے لئے معروف تھے۔ کسی بھی بڑے کام کو وہ خوش اسلوبی سے کروانا جانتے تھے۔ ان کے تحت کام کرکے لطف آتا تھا۔ "آدمی میل کار سے جانا جاتا ہے" یہ نصیحت مجھے مرحوم نے اس وقت کی تھی جب میں نے ایک "ایشو" کے [illegible] دینے تھے لیکن صرف دو ایڈیٹر "کل" پڑھنے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ [illegible] ان کی عادت ثانیہ تھی۔ اصلاح تحریر کا ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ سطر کے سطر، پیراگراف کے پیراگراف نہیں کاٹتے تھے۔ بلکہ لفظی تغیر و تبدل سے بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا کرتے تھے۔ ان کی اصلاح سے مضمون اونچا ہو جاتا تھا۔

تکلف ان کو چھو کر نہیں گزرا تھا۔ انداز بیان نہایت شگفتہ اور دل نشیں ہوتا تھا۔ بغیر تیاری کے ایک منطقی ربط کے ساتھ تقریر کیا کرتے تھے۔ کوئی کج بحث ان کے آگے دو قدم نہیں چل سکتا تھا۔ مطالعہ کے عادی تھے اور کتاب کے مغز کو جذب کر لیا کرتے تھے۔ قوت اخذ بلا کی تھی اور گفتگو میں چاشنی ہوتی تھی۔

مرحوم کے مزاج میں ظرافت تھی اور اگر مخاطب شستہ لطیفے سے عاری ہوتا تھا تو وہ پھر چپ رہنا پسند کرتے۔ ایک مرتبہ دفتر کے اوپری حصہ میں ایک خاتون اپنی پڑوسن سے اس بات پر کچھ زیادہ ہی تند لہجے میں لے دے کر رہی تھیں کہ پڑوسن کے بچے ہر وقت نل کھلا رکھتے تھے اور اس طرح پانی دوسرے گھروں تک نہیں پہونچ پاتا تھا۔ نیچے مرحوم کے پاس کچھ مہمان بیٹھے تھے اور مہمانوں کی گفتگو پر مذکورہ خاتون کی خفگی حاوی ہوتی جا رہی تھی۔ صدیقی صاحب نے اپنے مہمان سے کہا: "سنا آپ نے، یہ پنگھٹ کی لڑائی ہے۔"

ایک عرصہ تک انھوں نے "سوال و جواب" کا کالم ریڈنس میں خود لکھا جو بہت مقبول رہا۔ پرچہ کی ترتیب میں تنوع پر بہت زور دیتے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ ہر وقت ان کا ذہن پرچہ کی بہتری کے لئے کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا تھا۔

صدیقی صاحب ان لوگوں میں سے تھے جو چند سال آگے کے حالات کا اندازہ کر لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شوریٰ میں ان کا وزن محسوس کیا جاتا تھا۔

جب بقول مرحوم کے ان کی ٹانگیں ان کا بوجھ اٹھانے سے انکار کرنے لگتیں تو وہ پڑ جاتے اور میں جب پوچھتا کہ آپ اتنا کام کیوں کرتے ہیں، کچھ روز آرام کے لئے ٹونک چلے جائیے تو جواب دیتے "نہیں! اب آرام تو بس قبر ہی میں ملے گا۔ میں نے غلاف حرم پکڑ کر دعا کی ہے کہ خدا مجھ سے آخر عمر میں کوئی ایسا کام لے لے جو اس کی بارگاہ میں مقبول ہو۔" جاننے والے جانتے ہیں کہ ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے ان کی کاشت کو خاک لگ گئی لیکن وہ ادارہ چھوڑ کر نہیں گئے۔

ادارہ سے جو "اعزازیہ" ان کو ملتا تھا اس میں بمشکل ہی ان کی بسر ہوتی تھی۔ جب تنخواہ دینے کو پیسہ نہیں ہوتے تھے تو وضو کر کے نفل پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے۔

ان کو اس بات کا شدید قلق تھا کہ ان کی عمر کا بہترین حصہ نواب ٹونک کی خدمت میں گزرا

دربار ٹونک کی سطح کا اندازہ مرحوم کے اس جملہ سے لگا لیجئے کہ "درباریوں میں اس بات پر حیرت ظاہر کیا جاتا تھا کہ "حضور نواب صاحب نے آج اگالدان مجھ سے نہیں اٹھوایا!"

نجی معاملات میں تو مرحوم کی مروت کا حال یہ تھا کہ نہ جانے کتنا پیسہ صرف اس لئے ڈوبا کہ ان کو تقاضہ کرنے سے شرم آتی تھی۔ لیکن اجتماعی معاملات میں وہ مروت کے بالکل قائل نہ تھے۔ اس معاملہ میں انھوں نے اپنے دور ادارت میں اچھے اچھوں کو ان کا قد بدر کرا دیا۔

صدیقی صاحب مرحوم غلطی کے اعتراف میں کبھی نہیں رکتے تھے۔ اور اس صفت کو وہ ان لوگوں کے لئے ضروری خیال کرتے تھے جو آدم گری اور مردم سازی کا کام کرنے چلے ہوں۔

ان کے انتقال پر مجھے ایسا لگا جیسے میں دوبارہ یتیم ہو گیا ہوں۔

جوانو یہ صدائیں آ رہی ہیں آبشاروں سے
چٹانیں چور ہو جائیں جو ہو عزم جگر پیدا
وہ شبنم کا سکوں ہو یا کہ پروانے کی بیتابی
اگر اڑنے کی دھن ہوگی تو ہوں گے بال و پر پیدا
منجانب
عبدالواسع آزاد کلاتھ مرچنٹ
سعداللہ نگر ضلع گونڈہ، یوپی

فون ۳۱۲
اوشا سلائی مشین و پنکھا کے لئے
بھروسہ والی دکان
بھارتی ٹریڈرز
تکیہ اعظم گڈھ
پروپرائٹر ـ بدر عالم

گلشن شاداب دے گیا

مومن وہ زندگی کو نئی آب دے گیا
تاریکیوں میں ذہن کے مہتاب دے گیا
جذبۂ وفا و صفا کا گوہر نایاب دے گیا
محبت وفا کو تب و تاب دے گیا
پیکانِ درد، نالۂ بے تاب دے گیا
دیرینہ دوست، دیدۂ پُر آب دے گیا
اپنے جہاں اپنے ہمیں خواب دے گیا
کیا کیا صداقتوں کے نئے باب دے گیا
وہ اس کا درد اس کا جنوں، اس کی آگہی
وارفتگیٔ شوق کے اسباب دے گیا
کیا مظہر شعور محبت تھی اس کی ذات
کیا کیا نہ رفاقت احباب دے گیا
الطاف رنگ و نکہت ہمہ تن تھی اس کی ذات
یادوں کا اک گلشن شاداب دے گیا

الطاف حسین قریشی

مولانا انعام الرحمٰن خاں
بھوپال

جس نے تحریک کیلئے اپنا سب کچھ لٹا دیا

برادر محترم عبدالرزاق لطیفی مرحوم و مغفور ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء کو قصبہ [illegible] ضلع کرشنا آندھرا پردیش میں پیدا ہوئے۔ شروع ہی سے ان کا گھرانا ایک دیندار گھرانا تھا۔ جناب محمد عبداللطیف صاحب جو لطیفی مرحوم کے والد بزرگوار تھے ایک سرکاری مدرسہ کے صدر مدرس تھے۔ اساتذہ میں ان کا کافی احترام پایا جاتا تھا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت میں انہیں بڑا کمال حاصل تھا۔ انھوں نے بچوں کے لئے ایک قاعدہ بھی لکھا جو بہت مقبول ہوا۔

برصغیر ہند میں تحریک اسلامی کے ابتدائی دور میں جن صالح نوجوانوں کی رگ و پے میں اقامت دین کے انقلابی پیغام نے زندگی کی نئی لہر دوڑا دی تھی ان میں لطیفی مرحوم بھی شامل تھے۔ لطیفی مرحوم کالج لائف میں ایک سال مجھ سے جونیئر لیکن تحریک اسلامی کے رشتہ نے ایک دوسرے کو بہت قریب تر کر دیا تھا۔ ہم مولانا سید تقی علی صاحب کے شاگرد تھے۔ شب و روز اسلامی لٹریچر کا مطالعہ، مذاکرے، ملاقاتیں، خطابت اور درس و تدریس کی کچھ ایسی مصروفیت تھی کہ گویا جنون ہم سب پر طاری تھا۔ ورنگل کی سنگلاخ زمین میں ہمارے استاذ محترم مولانا سید تقی علی صاحب کی تربیت سے جن نوجوانوں کو فیض پہنچا ان میں برادر محترم لطیفی بھی تھے۔ تحریک کے ابتدائی دور میں زیادہ تر معلمین نے اس دعوت پر لبیک کہا تھا، اور یہ بھی اتفاق تھا کہ میں اور لطیفی مرحوم دونوں نے تعلقہ کریمنگر، عادل آباد و ورنگل کے بعض علاقوں میں بحیثیت [illegible] کے کام کیا تھا۔ اور یہ [illegible] جماعت اسلامی کے کارکن کی حیثیت سے معروف دعوت [illegible] اس وقت کی حکومت کے زیر اثر نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ [illegible] مرحوم نے مجھے ملازمت سے علیحدہ کروا دیا تو میں نے لطیفی مرحوم کے نام ایک خط لکھا کہ میرا استعفیٰ تو ہو گیا آپ کا کب ہوگا؟ جواب میں مرحوم نے لکھا کہ [illegible] جلد میرا استعفیٰ بھی [illegible]

والا ہے۔ چنانچہ میرے بعد ان کو مجبور کیا گیا۔ یہ ۱۹۷۵ء کی بات ہے۔

لطیفی مرحوم بڑے عالی ظرف، وسیع النظر، باہمت اور حوصلہ مند انقلابی کردار کے انسان تھے۔ وہ محدود نقطۂ نظر یا علاقائی دائروں کے اندر رہ کر سوچنے والے بالکل نہ تھے۔ بلکہ بہترین ذہن و فکر اور مضبوط کردار کے ساتھ ملک گیر پیمانہ پر تحریک کے احیاء و فروغ اور اس کی وسعتوں اور نفوذ کے وسائل و ذرائع پر شب و روز گفتگو کیا کرتے تھے۔ مسلسل کئی دن اور رات کافی دیر تک کام کرتے۔ دوروں میں بھی بڑے فعال و متحرک تھے۔ اپنے گھر بلکہ کنبہ و خاندان پر گہرا اثر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ لطیفی کے سارے افراد خاندان آج تحریک اسلامی سے مربوط ہیں۔ ان کے بھائی بہن ارکان جماعت بھی ہیں اور فعال کارکن بھی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو دین پر ثبات قدمی بخشے۔

لطیفی مرحوم کی خطابت میں فطری کشش تھی۔ بہت مربوط اور مدلل انداز خطابت تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ پاک نے انہیں خطابت کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ جماعت کے پلیٹ فارم پر وہ مقبول تھے ہی مگر جب کسی جانب سے یا کسی سیمنار و سمپوزیم میں انہیں مدعو کیا گیا تو اس مخصوص عنوان پر اس طرح اظہار خیال کرتے جیسے کہ اس عنوان پر کافی عرصہ سے اسٹڈی کر رکھی تھی۔ اپنے تنظیمی حلقہ کے نظم و نسق کے چلانے میں اور رفقاء کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے میں بڑے توازن اور ہوشمندی سے کام کرتے تھے۔ جماعتی نظم و نسق کو ترقی دینے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ اس معاملہ میں کسی کی مروت وغیرہ کا پاس و لحاظ نہ کرتے۔ دورے خوب کرتے اور رفقاء سے فردی ربط کے علاوہ ان کے مسائل کو حل کرنے کی برابر فکر کرتے۔ دارالہدیٰ کے قیام اور اس طرح مرحوم جنرل ہاسپٹل کے قیام میں انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ یہ دو فلاحی ادارے ان کی کاوشوں سے وجود میں آئے اور اب ماشاء اللہ مسلم جنرل ہاسپٹل کو ۲۰۰ بستروں والے دواخانہ بنانے کی عملی کوششوں کا آغاز ہو چکا ہے۔

دارالہدیٰ کے لئے شہر حیدرآباد کے قریب ایک وسیع زمین حاصل کرلی گئی جس پر

یوسف القرضاوی نے سنگ بنیاد رکھا تھا۔ اور اب دارالہدیٰ بھی انشاء اللہ جلد ایک مضبوط عمارت میں منتقل ہو جائیگا۔ ۱۹۷۶ء کے کل ہند اجتماع منعقدہ حیدرآباد کے وہ ناظم اجتماع تھے اور بڑی محنت کے ساتھ انہوں نے اس کو کامیاب بنانے کی بھرپور کوشش کی۔

فسادات نظام آباد اور آندھرا پردیش، اور گجرات میں احمدآباد کے فسادات میں امن کمیٹیوں کے قیام و ریلیف کا نظم اور تقسیم میں محنت کرنے اور دیگر جماعتوں کے ساتھ امن کی بحالی کے کام میں پیش پیش تھے۔ احمدآباد میں باز آبادکاری اور مساجد کی تعمیر کا بیشتر کام انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی صلاحیت، قوت برداشت اور قیادت کی خوبیوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ مجلس مشاورت، مسلم پرسنل لا بورڈ اور فلسطینی کانفرنس کی سرگرمیوں میں اکابرین ملت کے ساتھ بڑی محنت اور خلوص کے ساتھ درپیش مسائل کو حل کرنے میں دلچسپی لیتے تھے۔ حیدرآباد شہر کے علاوہ ملک کی مختلف ریاستوں کی مسلم لیڈرشپ سے بھی ان کے اچھے مراسم تھے۔ جماعت کے تمام اکابر کا بڑا احترام کرتے۔ الیکشن کے موضوع پر وہ اور ہم بہت قریب تھے۔ غرض کہ اللہ نے مرحوم کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ جن سے جماعت اور بیرون جماعت کے افراد فائدہ اٹھاتے تھے۔

۱۹۷۵ء میں ایمرجنسی کی جنگ میں جماعت اسلامی ہند کے اکابرین و اصاغر کو گرفتار کیا گیا تھا تو مرحوم کو حیدرآباد میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ بڑی خندہ پیشانی سے قید و بند کی تکالیف کو برداشت کیا۔ لطیفی مرحوم ۱۹۸۲ء میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ واپسی میں علالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک شدید تکلیف دہ مرض میں تقریباً ایک سال تک مبتلا رہے۔ حالت مرض میں تحریک اسلامی کی اور اس کے کاموں کی بڑی فکر دامن گیر تھی۔ بیماری کی شدت اور تکلیف کے باوجود ۱۹۸۳ء کے پانچویں کل ہند اجتماع میں شریک ہوئے تھے۔ واپسی کے تین ماہ بعد فروری کی ۲۷، ۲۸ تاریخ کی درمیانی شب دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ دوسرے دن بعد نماز ظہر ان کی تدفین عمل میں آئی۔ مجھ کو رفیق کی جدائی کا دوست ہونے پر فخر حاصل ہے اس دن خطبۂ جمعہ اور ان کی نماز

کی اس تحریک کا نتیجہ ہے کہ اس وقت حیدرآباد میں مسلم میٹرنٹی ہوم نامی عظیم ادارہ مسلم خواتین کی زیر نگرانی خوش اسلوبی سے انجام دے رہا ہے۔ اس ادارے میں اب مسلم بچوں کے لئے ٹریننگ کورس بھی جاری ہو گیا ہے جو بہت زیادہ مفید ثابت ہو رہا ہے۔

لطیفی صاحب نے چونکہ تمام زندگی کی ابتدا درس سے کی تھی اور جماعت کی تو ریجی تعلیمی اسکیم چلتی رہی ہے اس لئے مرحوم کو فطری طور پر اس کام سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی جس کا مظہر جامعۃ دارالہدیٰ کی ہیئت ہے جس کے کیمپس میں جماعت کا چھٹا کل ہند اجتماع ہوا ہے۔ ادارہ مرحوم کے حسن دلی کریم نگر ہی میں قائم ہوا تھا لیکن اب جماعت کے رفقاء نے اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر اسے بڑے مقام حیدرآباد منتقل کر دیا ہے اور اس کے جیسی فطریت سے عظیم تصویریں ہیں۔ یہ جامعہ قدیم و جدید کے حسین امتزاج کا مظہر ہے اور جماعت اسلامی آندھرا پردیش کے موجودہ امیر جناب عبدالعزیز صاحب کی سرپرستی میں اس سے ملت کو بہت سی امیدیں ہیں۔

لطیفی صاحب اپنی ان خداداد صلاحیتوں اور دین کے تعارف و سربلندی کے لئے جدوجہد میں انہماک کے سبب جہاں نوجوانوں کے محبوب تھے وہیں بڑوں کی نگاہ میں بھی ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ موصوف علیل ہوئے تو ان کی عیادت و ملاقات کے لئے جماعت کے تقریباً تمام بڑے ذمہ داروں پر مشتمل ایک قافلہ ان کے وطن کریم نگر پہنچا تھا۔ انتقال سے کافی پہلے ایک بھیجے عرصے تک ساوہ پاؤں میں ناسوروں کی موچ آجانے کے سبب سے بے حد پریشان رہے لیکن اس حالت میں بھی انھوں نے اپنی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ دورے کرنے سے لیکر ضرورت پڑنے پر مرکز جماعت دہلی پہنچنے میں کبھی تامل نہ ہوا۔

پاؤں کی شکایت دور نہیں ہو سکی تھی کہ کینسر جیسے خطرناک مرض کے شکار ہو گئے تھے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی دنیا ان سے ان کی صفت تسلیم و رضا اور صبر و ضبط کا اظہار بھی مقصود تھا۔ غالباً اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی تھی کہ جہاں لوگ دیکھ سکے اس محبوب بندے کی بہت ساری صلاحیتیں اور صفات دیکھیں وہیں وہ اس کا بھی اندازہ کریں کہ وہ کتنا صابر و شاکر بندہ اپنے خدا کی مرضی کے آگے کس طرح ادب کی صفت کا نظارہ کرا رہا ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی بیماری کی ملاقاتوں میں کبھی بھی مرحوم کے لب پر کوئی حرف شکایت

نہ پایا۔

لطیفی صاحب نے جس درجہ دلی لگاؤ تحریک کو رفقاء و احباب سے رکھا اس کا اندازہ اس وقت ہوا جب آخری دنوں میں ان کی حالت نازک سے نازک تر ہوتی جا رہی تھی۔ رفقائے جماعت اور ان کے چاہنے والوں کا یہ حال تھا کہ صرف حیدرآباد اور ہندوستان ہی نہیں بلکہ ان کے لئے بیرون ملکوں سے بھی جو دوائیں دستیاب ہو سکتی تھیں ان کے حصول و فراہمی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی لیکن مشیت ایزدی کچھ اور ہی تھی۔

جن دنوں مرحوم اپنے رب سے ملنے کے بہت قریب تھے ان دنوں میں بھی تحریک و جماعت سے ان کے والہانہ لگاؤ اور غیر معمولی تعلق کا مسلسل مظاہرہ ہوتا رہا۔ آخری دم تک ملت کے غلبہ کی سربلندی ہی کی فکر غالب رہی۔

۱۹۸۱ء میں جماعت کا پانچواں کل ہند اجتماع دہلی میں منعقد ہوا تو موصوف کسی طرح بھی اس میں شرکت کے قابل نہ تھے لیکن اس عظیم الشان اجتماع میں شرکت اور رفقاء سے ملاقات کی عزیمت کو وہ گوارا نہ کرسکے اور دہلی پہنچ گئے۔ چونکہ صحت بالکل ہی نڈھال تھی اس لئے ایک مخصوص خیمہ میں بستر پر لیٹے لیٹے ہی اجتماع کی کارروائیاں سنتے رہے۔ غالباً انھیں اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اب ان کا وقت قریب آچکا ہے لہذا تمام رفقائے جماعت سے ایک مرتبہ مل لینے کی شدید خواہش ابھر آئی۔ مگر ان کے مخلص رفقاء نے ان کی حالت کے پیش نظر ان کو اس سے پرہیز کا مشورہ دیا اور تمنا دل ہی میں رہ گئی۔ اس وقت مرحوم پر دل کو ہلا دینے والی کیفیت طاری تھی۔ اور یادوں کے ساتھ خاص طور پر اس عظیم اجتماع کے ذریعہ آندھرا پردیش کے غیر مسلم بھائیوں تک اسلام کی تعلیمات آخری پیغام پہنچانے کے لئے ہندی کو شعوری اور جدوجہد سے واقف کرانا اور اس راہ کی دشواریوں اور مسائل کو ان کے سامنے رکھنا تاکہ ان کو اس کے حل کے لئے کچھ غور و فکر سوچنے کی دعوت دینا چاہتے تھے اس سے برادران وطن کے لئے ان کے دل میں موجزن جذبات محبت کا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان کی یہ آرزو تو پوری نہ ہو سکی لیکن ان کے دل میں اس کام کے لئے جو غیر معمولی تڑپ تھی اس کے اثرات ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور خدا کا شکر ہے کہ آندھرا پردیش کی زبان تلگو میں جماعت کے تاثر کردہ

[illegible] علاوہ ازیں پبلیکیشنز کے ذریعہ بہت سے دینی لٹریچر شائع ہو چکے ہیں۔ اور عنقریب ہی تلگو میں قرآن مجید کا مکمل ترجمہ بھی منظر عام پر آجائے گا۔

لطیفی صاحب کا انتقال جس عمر میں ہوا اس کو عرف عام میں طبعی عمر نہیں کہا جا سکتا۔ ان کی غیر معمولی خدمات کے باوجود یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کی زبردست قوت و صلاحیت [illegible] آ رہا تھا۔ [illegible] ہی تھی، تو نمونوں کو ابھی [illegible] پھیلنا اور بکھرنا [illegible] لیکن اس کے [illegible] ہے کہ ان حصوں میں جو لطیفی صاحب ویسے [illegible] اور بھیجے ہوئے [illegible] درخت تھے کہ ان کے سایہ [illegible] دوسرے یہ دونوں کا ابھرنا اور بڑھنا مشکل تھا۔ اور شاید خدا نے اسی سبب سے ان کو اپنے قرب کا شرف عطا کر کے ان [illegible] کو ابھرنے اور بڑھنے پھولنے کا موقع فراہم کیا جو انھیں کی نمی سے سیراب ہو کر انھیں کے سایہ میں [illegible] بار ہی تھیں۔

لطیفی صاحب کی خدمت [illegible] یہ اعتراف تھا کہ [illegible] ہوئے سیکڑوں [illegible] دیں گے [illegible] کہ انھیں آندھرا پردیش کی سرزمین بھیج دیا ہے اور اب وہاں ایک [illegible] جو شہر [illegible] دکن کی رہنمائی [illegible] جماعت اسلامی ہند کے [illegible] آپ تشریف لے جا سکیں تو خود ہی [illegible] ان افراد کی سعی و جہد کے [illegible] آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں گے۔

ایک طرف تو لطیفی صاحب مرحوم کے لئے آپ کے دل سے دعا نکلے بغیر نہ رہے گی۔ اور دوسری طرف دین کی خدمت کے لئے آپ کے دل میں جو [illegible] دریا شاید ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں تبدیل ہو جائے اور آپ بھی اپنے آپ کو اللہ کے دین کی خدمت اور [illegible] کے لئے جدوجہد کرنے کی فکر میں کھو جائیں۔ اس [illegible] دوسرے بہت سے [illegible] نجات دینے والی اور نصرت الٰہی اور آخرت کی کامیابی سے ہمکنار کرنے والی ہے۔

اک نظر التفات کی چاہت لئے ہوئے
نکلا ہوں دل میں شوقِ شہادت لئے ہوئے
سر پہ لگے وہ چوٹ کہ سر پاش پاش ہو
نیزہ لگے وہ دل پہ کہ دل قاش قاش ہو
رنگین جسم سرخیٔ خونِ جگر سے ہو
کچھ کام راہِ حق میں اس آشفتہ سر سے ہو
خلقت کہے یہ لاش پہ میری کہ واہ واہ
جانباز ایسی ہوتی ہے اللہ کی سپاہ

منجانب

مطلوب احمد سرائے میر، اعظم گڑھ یوپی

لطیفی مرحوم کے گھر سے دستیاب ہونے والا ایک انٹرویو

عبدالحق ذاہی

جس کی اذانوں سے فاش سرِ کلیم و خلیل

ہمارے مرحوم رفیقِ کار ... صاحب سے ہم نے معلوم کرنے کی غرض سے رجوع کیا کہ انجمن طلبہ قدیم جامعہ اسلامیہ کے آرگن ... کا خصوصی شمارہ انقلابی شخصیات نمبر ہوگا۔

خوش قسمتی کہئے یا اتفاق کہ مولانا عبدالرزاق صاحب لطیفی مرحوم و سابق امیر حلقہ آندھرا پردیش کے ایک شاگرد ... ہمارے ایک محترم رفیق نے بتایا کہ لطیفی صاحب مرحوم سے بہت قریب رہ چکے ہیں، ان سے ملکر ان کے حالات معلوم کرو۔

چونکہ تحریکی افراد کی تاریخ کے سلسلہ میں لطیفی صاحب کا نام آ چکا تھا، ان کے حالاتِ زندگی، دعوت اور تحریکی خدمات اور ان سے حاصل شدہ مرحوم کے تجربات قلمبند کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی موقع نہیں ہو سکتا تھا اس لئے ہم نے ان سے ربط قائم کیا تو وہ انٹرویو دینے پر آمادہ ہو گئے۔

غیر متعینہ وقت اور مقام پر ہم مرحوم صاحب کے بارے میں سوالات کا جیسے تیسے ریکارڈ کر کے ٹیپ ریکارڈر لیکر حاضر ہو گئے۔ پہلے ریہرسل کر کے ٹیپ ریکارڈر چیک کیا اور پھر سوالات و جوابات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

یہ انٹرویو کم و بیش ایک گھنٹہ جاری رہا۔ ہم نے اپنے حافظہ پر اعتماد کرنے اور کاغذ قلم کو چھوا بھی نہیں۔ انگریز کے ہتھیار سنبھالنے کے بجائے ہم نے مشینی اور مصنوعی دماغ پر بھروسہ کیا، نتیجہ جو ہونا تھا وہی ہوا۔ آدمی کے بنائے ہوئے دماغ نے آدم زاد کو دھوکہ دیا۔ اس دھوکہ کی بلکہ غداری کا سراغ اس وقت لگا جب ہم اپنی رہائش گاہ پر دوسرے دن نہایت پہنچے اور اس ... یقین اور دھوکے سے مصنوعی دماغ کا گلا دبایا کہ جو کچھ سن رکھا ہے۔ چار و ناچار ابھی اگلے گا ... مگر

استعفیٰ آرزو کہ خاک شدہ

جب ٹیپ ریکارڈر سے کوئی جواب نہ ملا تو دماغ چکرا گیا، سارے خانے چت ہو گئے، ساری امیدوں پر اوس پڑ گئی اور سارے کئے کرائے پر پانی پھر گیا۔ دو پہر سے سارے انسانی دماغ (کم و بیش) دو چھوٹے سے دماغی سوئچ پر چلتے رہے، ہمارا ٹیپ ریکارڈر ایک ہی تانگ (ٹرنی) کے بل کھڑا ہو گیا ... اور کل صبح جب ایک دوسرا ٹیپ ریکارڈر سے رجوع کیا تو یہ شک یقین میں تبدیل ہو گیا۔ یہ کیا تھا خیالات اور تصورات کی عالی شان عمارت دھڑام سے زمین پر آ رہی۔ معلوم ہوا کہ ٹیپ ریکارڈر کا فیتہ ٹوٹ کر دو حصوں میں بٹ گیا تو محاسبہ اور ناتجربہ کار اپنے مجبور و ناتواں اور Neglected حافظہ پر زور ڈال رہا ہوں۔ ممکن ہے کچھ اشارات یا کچھ باتیں ذہن کی گرہوں میں الجھ کر محفوظ رہ گئے ہوں۔

ہر آدمی زندگی میں کچھ نہ کچھ ایسا کام کر گزرتا ہے جس پر وہ داد و فریاد چاہتا ہے، شاباشی ملتی اور تعریف و تحسین ہوتی ہے یا پھر کم از کم وہ دل ہی دل میں اپنے رب کا احسان کا سانس لیتا ہے کہ

"معاملہ در زندگی تو ... کردم"!

اور ہم نے تحریک اسلامی کے ہی ادارہ ... کے خادم زندگی ٹیپ ریکارڈر کے سلسلہ میں جو "کارِ نمایاں" انجام دیا وہ یہ تھا کہ عدیم الفرصتی کا عذر لنگ لیکر ایک سوال نامہ بھی نہیں مرتب کر پائے تو انٹرویو ... Head lines نوٹ کئے۔ اگر سوالات کی فہرست اور انٹرویو کی Head lines نوٹ کر لیں تو اس کا جواب انٹرویو دینے سے کون روک سکتا تھا!

اب "تو خود ... عالم ... میں اور پاسبانی ... ہیں"

یہ ہے حاضر ہے ... الفاظ میرے ہیں، خیالات ان کا ہے ——

مرحوم لطیفی صاحب بظاہر ایک سفر تھے لیکن حقیقت میں وہ ایک جماعت تھے، دستوری حیثیت سے وہ جماعت اسلامی کے رکن تھے لیکن حقیقت میں وہ ایک کارکن ساز شخصیت تھے۔ جو بیدار ذہن کو جگاتا اور جذبے کو گرما دیتا اور متحرک (Mobilise) کرنا لطیفی صاحب مرحوم کا کام تھا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

بلکہ لوگ ہونہار ہوتے ہیں، پختہ دماغ اور باکردار ہوتے ہیں لیکن کچھ کردار ساز لوگ بھی ہوتے ہیں۔ ہونہاری، صالحیت، اور حسن کردار بے شک محمود اور قابل ستائش اوصاف ہیں مگر انفرادی حیثیت میں یہ اوصاف فرد کی اپنی ذات تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ کردار سازی ایک بہت اعلیٰ وصف ہے جو کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ آدمی کے اپنے دل اور سوز اور کوشش سے زیادہ دینے اور بخشنے والے کی فیاضی اور انکے حسن انتخاب پر یہ چیز منحصر ہوتی ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

لطیفی صاحب مرحوم ان کردار ساز شخصیات میں سے ایک تھے۔

؎ آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔

ملکوں اور قوموں کی زندگی میں ہزاروں افراد پیدا ہوتے اور مرتے رہا کرتے ہیں اور ان کی ذات سے کوئی خاص اثر ملکی اور قومی زندگی پر نہیں پڑتا۔ خود اپنے ملک ہندوستان میں تازہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ایک ہزار کی شرح سے روزانہ بچے پیدا ہو رہے ہیں اور اس سے کچھ کم یا اتنے ہی مرتے مار ڈالے جاتے ہوں گے۔ تحریکی اور جماعتی زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ لوگ آتے ہیں اور اپنی مدت پوری کر کے اس دار فانی سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ احباب و اراکین تحریک دعائے مغفرت کر دیتے ہیں اور ان میں سے کوئی ایسا بھی جو تسلیم کرائے اپنی اہمیت ہو۔

؎ بہت بیمار مرتے ہیں مگر موت جیسے چکھے پاتے ہیں

کا مصداق ہوتا ہے۔ جن کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں اتری ہوتی ہیں اور جن کی شاخیں آسمان چھونے کی کوشش کرتی ہیں جن کے ثمرات سے ہزاروں انسان مستفید اور متمتع ہوتے ہیں اور جن کی گھنی چھاؤں سے ہر موسم میں ہر دل کی آسودگی کا سامان مہیا ہو جاتا ہے۔ ایسا درخت اپنے جو کھلے سے پیچھے ہزاروں درخت اپنا جانشین چھوڑ جاتا ہے۔

کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء تؤتی اکلہا کل حین باذن ربہا

مولانا عبد الرزاق لطیفی مرحوم ایسی ہی ایک باغ و بہار اور عہد ساز شخصیت تھے۔ وہ قومی یا ملکی حیثیت تو نہ رکھتے تھے لیکن ریاستی سطح پر دین و ملت اور من حیث المجموع قوم کی جو خدمات کی ہیں، شہادت ریاست کا ذرہ ذرہ دے رہا ہے۔ ایسی عظیم شخصیات جو سراپا کردار، سراپا حرکت اور سراپا فکر و عمل ہوں، روز روز نہیں پیدا ہوتیں اور ان کے اٹھ جانے سے ایسا خلا پیدا ہوتا ہے جو جلدی پر نہیں ہوتا۔ مولانا مرحوم کی اچانک موت سے جو خلا اس حلقہ میں پیدا ہوا وہ پر ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔

وما کان قیس ہلکہ ہلک واحد
ولکنہ بنیان قوم تہدما

دعوت بیدار کرنا، مختلف قوتوں سے برسر پیکار ہونا اور ہمدردی اور دلسوزی سے غیروں کا دل جیتنا ایک داعی کے لئے ناگزیر صفات ہیں۔ پھر اسی کے ساتھ ساتھ پیار اور محبت سے اپنوں کی دینی تربیت کرنا اور غافلین اور غلط فہمی کے شکار لوگوں کی غلط فہمی رفع کرنا اور انہیں غفلت کی نیند سے بیدار کرنا، ان کے فرائض یاد دلانے اور ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنا ایک قائد کا فریضہ منصبی ہے اور ان تمام کوششوں کو مربوط و منظم شکل دینا، منتشر اور پراگندہ لوگوں کو جمعیت کی شکل میں لیکر آگے بڑھنا اور پیچھے سے منظم و منضبط لوگوں کی حوصلہ افزائی اور ان کی قیادت و رہنمائی کرنا ایک رہنما کی لازمی صفات ہیں۔

موصوف مرحوم ان تمام خوبیوں سے متصف تھے۔

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کیلئے

ڈیڑھ دو ہفتہ کی ادھیڑ بن کے بعد میں نے اپنی یادداشت پر بھروسہ اور خدا کے قدیر پر توکل کر کے مولانا مرحوم کی زندگی کی روداد اور ان کا واقعاتی کردار زیب قرطاس کرنے کی غرض سے قلم اٹھایا تھا۔ طلب اور چاہ ہنوز برقرار تھی کہ کنواں پیاسے

کے پاس فوراً حاضر ہو، یعنی لطیفی صاحب کے رفیق خاص محمود صاحب بھی ہماری قسمت سے دہلی تشریف لے آئے مجھے ایک چانس اور مل گیا۔ پرچہ یہ ہے :

طلب صادق ہو — بڑھ آتی ہے منزل خود منزل سے

ہم نے اب کی دفعہ "جدید تکنالوجی" سے کام لینے کے بجائے پشت ہا پشت سے پرانے آزمودہ فرسودہ، طریقہ یعنی کاغذ قلم اور یادداشت کو استعمال کیا۔ اور ایمانداری کی بات یہ ہے کہ کسی قیمتی، ٹیپ ریکارڈر یا کمپیوٹر کے بجائے یہ پرانا آزمودہ طریقہ زیادہ حد تک کامیاب اور بھروسے کا ساتھی رہا۔

کسی تحریک کے داعی کا ایک نمایاں وصف یہ ہوتا ہے کہ وہ جس سے ایک بار مل لیتا ہے اس پر اپنی گہری چھاپ چھوڑتا ہے جسے ایک بار دیکھ لیتا ہے اس کے جسم سے ہو کر نگاہیں اس کے دل تک اتر جاتی ہیں جس کی روشنی سے تاریک دل منور ہو جاتے ہیں۔ جس سے ایک بار اپنی بات کہنے کا موقع ملتا ہے اس کے دل و دماغ پر گہرے اثرات چھوڑ جاتا ہے۔

محمود صاحب کا بیان ہے کہ لطیفی مرحوم صاحب المتین کی حیات کے داعی تھے شخصیت بے حد متاثر اور مرعوب کرنے والی تھی۔ ایک بار ان سے کوئی مل لیتا تو عمر بھر انھیں نہیں بھول سکتا۔ عبدالکریم صاحب پاریکھ کا بیان ہے کہ اگر زندگی میں کسی سے متاثر ہوا تو وہ لطیفی صاحب مرحوم کی ذات ہے۔

اپنے خصوصی و امتیازی کردار کا ایک پہلو یہ بھی تھا جو ان کی اعلیٰ ظرفی دور اندیشی وسیع النظری اور کشادہ دلی کی دلیل ہے کہ دوسری جماعتوں، تحریکوں اور تنظیموں کے قائدین اور رہنماؤں سے ربط و ضبط بڑھاتے، بے تکلفی پیدا کرنے کی کوشش۔ جو ان سے خاص ملاقات کرتا وہ بھی ان سے بے تکلفی محسوس کرتا۔ یہ دینی قیادت کو متاثر اور مرعوب کر رکھا تھا۔ یہ اللہ کی طرف سے ان کو خصوصی دین تھی۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن کی عملی تصویر تھے۔

بڑے جری، بے باک اور دبنگ شخصیت کے مالک تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے

مرحوم کو "آصف جاہ سادس" نواب بہادر یار جنگ کا جانشین اور وارث سمجھتے تھے اور عوام کو یہ امید ہو چلی تھی کہ مستقبل قریب میں کبھی کل ہند سطح پر تحریک اسلامی کی قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں گے۔

مسعود جوہر کی تمام تر مساعی و توانائیوں کے باوجود مرا [illegible] کی جا سکتی ہے۔ ہماری نئی نسل اور علماء نیز ایک تقریب میں جو یونیورسٹی کے اساتذہ و پروفیسروں اور ادیبوں، شاعروں، عمائدین اور معززین اور دیگر ہستی شخصیات کے ذمہ داران پر مشتمل تھی۔ مسعود جوہر نے جو [illegible] کی مرحوم کی تعلیم میں تھی، مرحوم سے ملاقات کی یادگار سے کچھ اس موثر اور دلنشین انداز میں اپنی بات پیش کی، حاضرین پر بے اختیار [illegible] طاری ہو گیا اور مسعود جوہر کی شخصی اقتدار پیش [illegible] سے برا حال [illegible]۔ محمود صاحب کا خود اپنے بارے میں یہ تاثر ہے کہ اب تک جن لوگوں سے ملا ہوں ان میں سب سے زیادہ ذہین اور بااخلاق آدمی میں نے لطیفی صاحب ہی کو پایا۔

کارکنوں کی تربیت ایک فن ہے اور ہر شخص کا کام نہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے علم اور تقویٰ کے باوجود نوجوان کارکنوں کی نفسیات شناسی نہ ہونے کے سبب اور ان کا نشو و نما اچھی طرح نہیں ہو پاتا۔ صلاحیتوں کا رخ بدل جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ محروم رہ جاتے ہیں اور میدان عمل میں آگے نہیں آ سکتے۔ لیکن ایک داعی اپنے رفقاء و کارکنوں کی تربیت و نفسیات شناسی کرتا ہے، ان کے مذاق، عادات، اطوار سے واقفیت حاصل کرتا ہے، ہر طرح سے سوچ کر ان کی صلاحیتوں کا جائزہ لیتا ہے۔ کامیابیوں اور کارکردگیوں کو تعریف کرتا ہے اور مختلف انداز سے ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ناکامیوں پر ملامت کرنے اور زجر و توبیخ کرنے کے بجائے انھیں شفقت کے ساتھ اصلاح کا موقع دیتا ہے اور آگے بڑھنے کے لئے مددگار ہے۔

مرحوم لطیفی صاحب کی ذات وہ صفات میں یہ خاص اوصاف [illegible] تھے۔ کبھی تنہا بڑا علی دوسرے کے پیر تھکے ہمیشہ کسی رفیق کو ساتھ رکھتے تھے۔ ساتھ رکھتے اور ہم لوگ اور ساتھیوں کے انداز سے مزاج شناسی کا اعلان کرتے۔ [illegible]

ایسا بھی ہوتا کہ پیچیدہ مسئلوں میں بجائے خود جانے کے بجائے اپنے کسی رفیق کو بھیج دیتے جو ان کی تمام معاملات کر لیتے۔ یہ گویا قیادت کی تربیت کا ایک طریقہ تھا۔ ان کا سب سے بڑا اور موثر ہتھیار ذاتی ربط و گفتگو تھا۔ غیر رسمی گفتگو کے ذریعہ ۔ ۔ ۔ رفقاء کی دیکھ بھال کرتے اور ان سے بے تکلفی کے انداز میں باتیں کرتے تھے۔ بڑے مردم شناس انسان تھے۔ صلاحیت رکھنے والوں پر نظر رکھتے اور ان پر خصوصی توجہ دیتے۔ ایسے ارکان ومتفقین سے ربط بڑھاتے۔ ان کو آگے بڑھاتے ... مسائل پیش آتے۔ غلام کے ... انجام دینے اور ارکان کی کمزوریوں کو سہتے اور بعض مواقع پر اہم پروگراموں میں خود جانے کے بجائے اپنے رفقاء کو بھیج دیا کرتے تھے۔ یہی حال غیر جماعتی تحریکات کا بھی تھا
یکاد زیتہا یضیء ولو لم تمسسہ نار نور علی نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء ۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
دیئے تھے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

اس طرح ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک کارکن ساز اور قیادت ساز شخصیت تھے۔

میرے اس سوال پر کہ مرحوم نے اپنی خصوصی توجہ اور کارکن سازی کی صفت سے کون کون سے خاص کارکن تیار کیے جو اس وقت ملک و بیرون ملک اہم تحریکی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

محمود صاحب خاموش رہے اور انھوں نے بغیر وجہ ظاہر کیے کچھ بتانے سے انکار کردیا شاید یہ ان کی کسرنفسی اور انکساری تھی۔

کسی شخص کا بچپن اس کے بڑھاپے کا آئینہ دار اور عکاس ہوتا ہے۔ جوانی اور بڑھاپے کی جھلک بچپن ہی میں نظر آتی ہے۔ کوئی شخص یک لخت بڑا اور دانشور نہیں بن جاتا بلکہ عہد طفولیت ہی سے فطرت اس کے بننے اور سنورنے کا سامان کرتی ہے اور اس نونہال کے چکنے چکنے پات ایک دن اس کے تناور درخت بننے کی پیشگی اطلاع دیتے ہیں۔

ہم نے مولانا لطیفی صاحب کی غیر معمولی قوت اور سرگرم عمل شخصیت کو سمجھنے کے لیے ان کے ابتدائی حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالنے کی درخواست جناب محمود صاحب سے کی موصوف نے کچھ توقف کے بعد فرمایا:

مولانا مرحوم کی تربیت خالص اسلامی گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم رکن جماعت تھے اور سارا گھر کسی نہ کسی حیثیت میں جماعت سے منسلک تھا۔ گویا پورا خاندان اسی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ زمانہ طالب علمی ہی سے تحریک جماعت سے فکری طور پر متاثر تھے بلکہ اس کے ایک سرگرم کارکن بھی تھے۔

بعض وجوہ و اسباب کی بنا پر تعلیم انٹرمیڈیٹ سے آگے نہ جاری رہ سکی لیکن ان کی خداداد ذہانت اور صلاحیت نے اعلیٰ تعلیمی ڈگری نہ ہونے کے باوصف انھیں ایک تحریک کی قیادت کے مقام عالی پر فائز کر دیا۔ ان کا شمار تیز ذہین طلبہ میں ہوتا تھا۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے موصوف نے فرمایا:

تحریک سے متعارف ہونے کی وجہ سے دینی علوم کے ساتھ مغربی علوم کا مطالعہ اچھا خاصا تھا۔ مرحوم کسی اتفاقی قربت یا واقعہ سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ اوائل ہی شروع سے اسی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ آپ کے والد مرحوم ایک باعمل بزرگ تھے۔ جن کا سارا اثر گھر پر رہتا تھا۔ ان ساری چیزوں نے مل کر مرحوم لطیفی صاحب کو ذہنی تحریکی سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ تحریک اسلامی سے ان کی گہری وابستگی اب بھی کچھ ڈھکی چھپی نہیں تھی۔

میرا اگلا سوال تھا: مرحوم لطیفی صاحب نے کس پس منظر میں حلقہ ... کی امارت سنبھالی اور مختلف حیثیتوں سے کس حد تک اسے ترقی دی؟

میرا یہ سوال سن کر موصوف کچھ مسکرائے اور کچھ رک کر کہنے لگے:

مرحوم لطیفی صاحب نے جب حلقہ کی امارت سنبھالی اور جائزہ لیا تو تحریک کے کام میں اتنی وسعت نہیں تھی۔ جتنی کہ اب ہے۔ تنظیمی لحاظ سے بھی حلقہ کی حالت بہتر نہیں تھی اور حلقہ تشکیل کا شعبہ نو ... اہم ... تھا۔ مسلمانان

سربراہ دونوں اور غیر مسلم دینی حلقوں میں نہ خدمتی شعبے پر بھی کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا۔ اس علاقہ سے بھی ایک بڑے حلقے میں، جس میں حیدرآباد جیسا شہر بھی شامل تھا، کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ مرحوم نے ان تمام چیلنجوں سے جماعت کو آگے بڑھایا۔

سوال: خدمتِ خلق کے کام کی نوعیت اور اس کی تفصیل پر بھی روشنی ڈالیے نیز یہ بھی بتائیے کہ عوام میں اس کی افادیت اور اس سے جماعت کا کیسا امیج سامنے آیا اور یہ بھی کہ عوام اس خدمت کے واسطے سے کس حد تک جماعت سے قریب آئے اور کتنے متاثر ہوئے؟

جواب: تفصیل کا موقع نہیں لیکن مختصراً عرض کیے دیتا ہوں کہ مرحوم نے جب امارت سنبھالی تھی تو خدمتِ خلق کے تحت کام ہوتا تھا لیکن اس میں باقاعدگی نہیں تھی۔ اس شعبہ کو وسعت اور باقاعدگی دینے میں مرحوم کی انتھک کوششوں کو بڑا دخل ہے۔ چنانچہ اسلامی سوشل سروس سوسائٹی کے نام سے آپ نے باقاعدہ تشکیل دی اور اسی نام سے اسے رجسٹرڈ بھی کرایا۔ یہ یقیناً ایک بڑا کام تھا جس کا سہرا آپ کے سر جاتا ہے۔ اس سوسائٹی کے تحت دو ادارے چل رہے ہیں۔

۱۔ نادار طلبہ اور ضرورت مند افراد کی امداد کا کام بڑے پیمانے پر سوسائٹی کے ذریعہ انجام پا رہا ہے۔ اس سوسائٹی کے ذریعہ جماعت کا تعارف وسیع پیمانے پر ہوا اور ان سے لوگوں کی ہمدردیاں اور تعاون بھی حاصل ہو گئے۔

۲۔ دوسرا ادارہ مسلم ہیلتھ سنٹر (زچہ ہاسپٹل) ہے۔ اس ادارہ سے مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی استفادہ کر رہے ہیں۔ اس کے ذریعہ بھی اپنوں اور پرایوں دونوں میں جماعت کا تعارف ہو رہا ہے۔ مرحوم نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سربرآوردہ افراد کا مستقل تعاون حاصل کیا۔ مسلم ہیلتھ سنٹر سے شہر کے بڑے مسلم ڈاکٹروں کو اس کے نئے مسائل و معاملات میں شریک کیا اور انھیں مستقل بورڈ کا باقاعدہ ممبر بنایا۔ اس طرح ڈاکٹروں کے واسطے سے ان کے جاننے والے بے شمار لوگوں کے درمیان جماعت کی خدمات اور اس کی دعوت کا تعارف ہوا۔ دعوتی کام سے قطع نظر دار الہدیٰ اور میٹرنٹی ہوم

کا قیام اگر بارگاہ خداوندی میں قابل قبول قرار پائیں تو یہ ان کی مغفرت کے لیے کافی ہے۔

سوال: مرحوم نے تو تعلیمی ادارہ دار الہدیٰ کا قیام کیا تو کیا حیدرآباد میں دیگر دینی تعلیمی ادارے نہیں تھے۔ کیا کسی خاص مقصد و ضرورت کو سامنے رکھ کر اس درسگاہ کو قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی؟

جواب: جی ہاں۔ کسی حد تک یہی بات ہے۔ دار الہدیٰ میٹرنٹی ہوم کا قیام بھی کچھ ایسی ہی وجوہ کے تحت پیش آیا ورنہ شہر میں پرائیویٹ ہاسپٹل بہت سے نرسنگ ہوم اور دواخانے بھی پائے جاتے تھے۔

دراصل دار الہدیٰ دینی ادارہ ہے۔ دینی علوم کا سنگم ہے اور میٹرنٹی ہوم پردہ نشین خواتین کی زچگی اور علاج کا ذریعہ ہے جو دیگر زچہ خانوں کے مقابلہ میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اور دونوں ہی ادارے وقت کی اہم ضرورت کو پوری کرتے ہیں۔ اور مولانا مرحوم کے لیے ایک ثواب جاریہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اصل میں اس زچہ خانہ کے قیام کی ضرورت یہ ہے کہ پردہ نشین خواتین کو مرد ڈاکٹروں سے بے پردگی کا اہتمام نہیں حاصل تھا۔ شروع ہی سے یہ بات ذہن میں تھی کہ غیر مسلموں کے لیے بھی اس کے دروازے کھلے رہیں۔ چنانچہ اللہ کا فضل ہے کہ اس کی خواہش مند غیر مسلم خواتین بھی جو پردہ کے اہتمام سے زچگی کرانا چاہتی ہیں، خاصی تعداد میں آتی ہیں اور فائدہ اٹھاتی ہیں۔

دنیوی علوم و ادارہ جسے ہم علوم جدیدہ و MODERN SCIENCE کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ کا دائرہ چونکہ بہت وسیع ہے اس لیے ہم نے ان سے سوال کیا کہ دنیوی تعلیم سے آپ کی کیا مراد ہے؟

موصوف نے اس کے جواب میں فرمایا: دار الہدیٰ میں دینی علوم پڑھانے کے ساتھ سیکولر تعلیم بھی دی جاتی ہے جو سرکاری اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔

خدمتِ خلق کے کاموں کے ضمن میں موصوف نے امداد باہمی ریلیف ورک کا ذکر بھی کیا جس کے انچارج مولانا لطیفی صاحب بنائے گئے تھے۔ یہ یقیناً ایک بڑا کام تھا۔ فسادات کے

زبردست پیمانہ پر ہوا تھا۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے کارخانے، کپڑے کی ملیں تباہ کر دی گئی تھیں، دکانیں لوٹ لی گئی تھیں، گھر جلا دیے گئے تھے۔ معصوموں کے خون سے ہولی کھیلی گئی تھی۔ انتہائی زبردست گرفتاریاں ہو رہی تھیں۔ فسادات کی لپیٹ میں قریب دو ہزار کے دیہات بھی متاثر ہو رہے تھے۔ ان سارے کاموں کو ایک نہایت منظم انداز میں مرحوم نے انجام دیا۔ بڑے لوگوں کی باقاعدہ کاؤنسل تشکیل کر دی اور کم و بیش لاکھ روپے کا ریلیف ورک کیا۔ یہ ایک اہم کام تھا جو انھوں نے انجام دیا۔ ان کا اثر عوام و خواص مسلم اور غیر مسلم غریب اور امیر تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ تمام لوگوں پر یکساں طور پر پڑا۔

میں نے جب یہ سوال کیا کہ مرحوم لطیفی صاحب نے قومی مزاج اور دیہاتی معاشرہ صرف بار کے رفقاء و احباب پر ہی نہیں بلکہ اپنے خاندان، بزرگوں اور اعزہ کو کیسے متاثر کیا تو انہوں نے جواب دیا!

پورا گھرانہ — یہ خاندان جماعت اسلامی کا گھرانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آپ کے ایک بھائی کو ناظم شاخ (رکن) کی حیثیت میں دیکھتے ہیں تو دوسرے بھائی ناظم ضلع کے روپ میں نظر آتے ہیں۔

میرے کچھ ہی جتنا ہمارا شناسا ہے اس کے بعد جب ہم لطیف آتے ہیں مرحوم لطیفی صاحب کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ان کی زندگی کے کئی ایک گوشے ہمیں بہت نکھرے اور دلکش نظر آتے ہیں۔

مثال کے طور پر ایک واقعہ ملاحظہ ہو!

جن دنوں گجرات میں ریلیف کا کام ہو رہا تھا انہی دنوں گورنر گجرات اور وزیر اعلیٰ گجرات آپ کی دعوت اور جذب شخصیت سے بے حد متاثر ہوئے اور اہم سے اہم مصروفیت کے موقع پر بھی جب انھیں اطلاع دی جاتی کہ لطیفی صاحب آئے ہیں تو چاہتے ہیں تو نیا ورکنگ ورکشٹ Routine work چھوڑ کر سب سے پہلے انھیں بلاتے۔ اور صرف اتنے ہی پر اکتفا نہ کرتے بلکہ افسران اور حکام سے مختصر ان کا تعارف بھی کراتے۔ حاضرین میں ظاہر ہے کہ وزراء و حکام کے علاوہ High Ranking کے

افسران اور ذمہ داران ہی ہوتے ہیں۔

موصوف کی یہ عزت اور وقعت اس وجہ سے ہرگز نہیں تھی کہ خدانخواستہ وزراء و افسران کی خوشامد کیا کرتے تھے بلکہ اصل وجہ شخص اہم وہ بے داغ کردار اور دیانتدارانہ خصوصیت تھی جس نے ان کو ادھر توجہ کیا۔ ساتھ ہی عظیم پیمانہ پر ریلیف ورک کی اس بے لوث خدمت میں انتھک جد و جہد محنت اور لگن ایمانداری اور خلوص اور حکام ریاست سے ریلیف کے کاموں میں معاونت بھی توجہ کا مرکز بنی جس کی نظیر ان کے سامنے اس سے پہلے نہیں تھی۔

وزراء و احکام ان سے کس حد تک متاثر تھے اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ریاست کے اعلیٰ ترین عہدیداروں وزیر اعلیٰ اور گورنر نے اپنے پی اے کو آرڈر دے رکھا تھا کہ اگر لطیفی صاحب آدھی رات کو بھی آئیں تو مجھے جگا دینا۔

مولانا مرحوم کی تحریکی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا:

لطیفی صاحب کی تحریک سے گہری وابستگی اور بے پناہ لگاؤ کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ کینسر (سرطان) کے موذی اور جان لیوا مرض میں انھوں نے حیدرآباد سے بہ عجلت کا طویل سفر طے کر کے آل انڈیا اجتماع منعقدہ دہلی میں شرکت کے لئے تشریف لائے اور باوجود شدید علالت کی وجہ سے اجتماع کی کارروائیوں میں آکر شریک نہیں ہو سکتے تھے لیکن قیام گاہ میں بستر پر لیٹے لیٹے اجتماع کی کارروائیوں کو سماعت فرماتے رہے۔ اس سے مرحوم کی عزیمت اور تحریک کے لئے بے پناہ قربانی کا جذبہ سامنے آتا ہے۔ آخر اس مرض کے صدمہ سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔

مرحوم کی زندگی کے آخری ایام اور وفات کا ذکر کرتے ہوئے موصوف نے بتایا

مولانا لطیفی صاحب کی خطرناک بیماری، سخت علالت اور پھر اچانک گراں قدر وفات کا شدید غم تو اپنے لوگوں کو تھا ہی لیکن واقعہ یہ ہے کہ حلقہ اور شہر حیدرآباد کے مسلم اور غیر مسلم قائدین، لیڈران ان کی زندگی میں عیادت اور مزاج پرسی کرنے آتے رہے اور ان کی وفات کے بعد یکساں طور پر اس کا گہرا اثر

پڑا اور سب ہی لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ مرحوم کو اپنے درمیان سے کھو کر انھوں نے کوئی بہت بڑی چیز کھو دی جس کی تلافی یا جس کو دوبارہ حصول ناممکن نہیں تو مشکل ضرور نظر آتی ہے۔

مولانا مرحوم کی عادات واطوار اور مزاج کے بارے میں جب ہم نے ان سے سوال کیا تو ان کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی پھر جیسے کسی گہری فکر میں ڈوب گئے۔ فرمایا۔

مستقر حیدرآباد تھا۔ فیصل کریم نگر وغیرہ میں رہتی تھی۔ تحریک کے کاموں میں اس قدر مشغول اور منہمک رہتے تھے کہ مہینوں گھر نہیں پہنچ پاتے تھے۔

مولانا مرحوم چونکہ مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے اس لئے اپنے حلقہ یعنی آندھرا پردیش اور پورے ہندوستان بلکہ عموماً تحریک کو غالب اور نافذ کرنے کے سلسلہ میں مسلسل سوچتے رہتے اور رفقاء جماعت سے اسی سلسلہ میں مشورہ اور تبادلۂ خیالات کرتے رہتے تھے۔

چنانچہ میری ان سے جب پہلی ملاقات ([illegible]) میں ہوئی جبکہ وہ اورنگ آباد تشریف لائے تھے اور اس موقعہ پر مختلف پارٹی لیڈروں سے انھوں نے ملاقاتیں کیں۔ تو جس شائستگی سے بے باکی سے اور جرأت سے ان کے سوالوں کا ایک ایک کرکے جواب دیا اور ان کے اعتراضات کا رد کیا اس کا بہت اچھا اثر پڑا۔

مرحوم کی یہ ادا بھلائی نہیں جا سکتی کہ اپنے رفقاء سے بے انتہا شفقت اور پیار و محبت سے پیش آتے رفقاء بھی ان سے انسیت اور یگانگت محسوس کرتے۔ اس امیر کا دل کی یہ خوبی وہ نوازی جماعت اور تحریک کے استحکام کا سبب بنی اور لوگ جوق در جوق اس دعوت اور پیغام سے متعارف ہوئے۔

مولانا موصوف تحریک کے تعلق سے خوف و رجا کا آئینہ دار تھے اس جہت سے وہ بہت اندیشہ ناک بھی رہتے تھے کہ تحریک کامیابی کی منزل تک پہنچ سکے گی یا نہیں دوسری طرف جماعت کی دعوت کی مقبولیت اور اس کے بڑھتے ہوئے کام اور کثرت سے پر امید بھی رہتے تھے اور حوصلہ بلند رکھتے تھے جس کا مظہر خود ان کی زندگی ہی میں ان کے مختلف منصوبوں اور فیصلوں کی شکل میں سامنے آیا۔

مرحوم کی وہ اجتماعی اور انفرادی زندگی ہر اس شخص کیلئے سبق ہے جو اس تحریک سے وابستہ ہو اور جو اس مشن کا داعی ہو۔ انتھک محنت، لگن، خلوص، حوصلہ، دلنوازی اور سرگرمی اور حرکت۔ یہ تھی مرحوم کی خوبصورت زندگی۔

ہے کوئی جو اس شمع سے اکتساب فیض کرے؟

تو خدا مست تھا

حق کا جیالا تھا باطل کا پرستار نہ تھا
زیرک اور بے چین کا ہو جانشیں بردار نہ تھا
آئینہ تھا ترا کردار پراسرار نہ تھا
پھول ہی پھول تھے دامن میں ترے خار نہ تھا
دور حاضر میں جوانی کے تقاضے تو تیرے
واسطے باتوں سے تجھے کوئی سروکار نہ تھا
زندگی مرد مجاہد کی طرح گرم سفر تھا
صرف اہل قلم و صاحب گفتار نہ تھا
جو شخص حق دل میں مگر منکسر و سادہ تو مزاج
تو خدا مست تھا مست مئے پندار نہ تھا
حکمت دین خدا پر تجھے تھیں نگاہیں تیری
حلقۂ دام سیاست میں گرفتار نہ تھا
ملک کے قوم کے اسلام کے جو دشمن تھا
ایسے لوگوں سے تجھے رابطہ تھا یار نہ تھا

صابر القادری

جنازہ پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ مرحوم کے پسماندگان میں (۸) بھائی ایک
بہن جن میں سے ایک بھائی کا انتقال ہو چکا ہے۔ اہلیہ محترمہ (۵) لڑکے اور ایک لڑکی
اس وقت موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان
کو صبر و استقامت اور راہ حق کی توفیق مزید عطا فرمائے۔

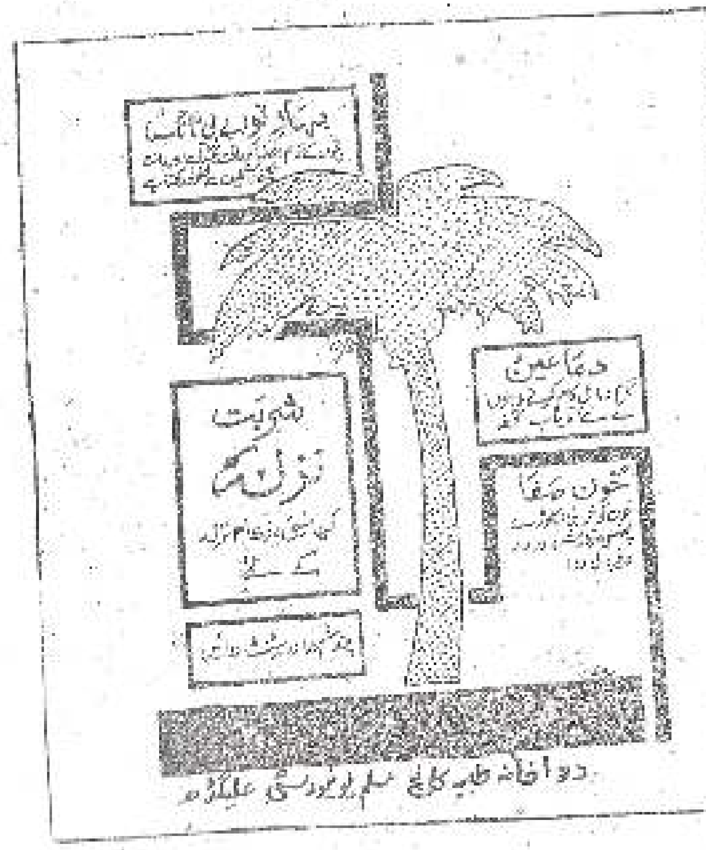

لطیفی نمبر

انتظار نعیم

ید بیضا لئے بیٹھے تھے اپنی آستینوں میں

حیدرآباد میں ۱۹۶۷ء میں جماعت اسلامی ہند کے چوتھے آل انڈیا اجتماع کا پروگرام جاری تھا میں باغ کے وسیع و عریض پنڈال میں میں پیچھے کی طرف بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک سامعین اور اسٹیج پر بیٹھے ہوئے حضرات میں کچھ بے چینی سی محسوس ہوئی۔ میں نے توجہ سے دیکھا تو اسٹیج کنٹرولر کچھ عجیب کشمکش میں نظر آئے کبھی تو وہ مائک کو پکڑ کر کچھ کہنا چاہتے اور کبھی چند قدم پیچھے ہٹ کر بیٹھتے سے نظر آئے چونکہ اسٹیج کافی دور تھا اس لئے اس اضطراب و بے چینی کا سبب فوری طور پر نہ سمجھ میں آیا نہ کسی اور سے معلوم ہو سکا۔ بہرحال اسی طرح چند منٹ گذرنے کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ مضطرب و پریشان شخصیت کچھ مطمئن اور یکسو ہو گئی ہے اور اجتماع کے پروگرام کے سلسلے میں ضروری اعلانات ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ میں نے دوسامعین اور پھر ایک کارکن سے دریافت کیا تو جس وجہ سے اسٹیج کے ناظم بار بار پیچھے بیٹھے جھکتے اور پھر آ کر مائک سنبھال لیتے وہ کوئی بزرگ شخص تھے جن کو اچانک کوئی دورہ پڑ گیا تھا۔ مزید تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ جو صاحب اسٹیج کو کنٹرول کر رہے تھے وہ ناظم اجتماع جناب عبدالرزاق لطیفی صاحب تھے اور جن بزرگ کو دورہ پڑا تھا وہ انہیں کے والد محترم جناب لطیف الدین صاحب تھے۔

فرض اور محبت کے بیچ کشمکش کے افسانے تو سن رکھے تھے لیکن یہاں اس کو جیتے جاگتے اپنی آنکھوں سے برپا ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ لطیفی صاحب کی اپنے والد محترم سے محبت جوش مارتی تو وہ مائک چھوڑ کر ان کی طرف لپکتے لیکن فوراً ہی انہیں خیال ہوتا کہ ان کے مائک چھوڑنے سے سرکاری مجلس اور اجتماع میں بدنظمی پیدا ہوگی ویسے ہی وہ فوراً مائک کی طرف پلٹ آتے اور میں نے دیکھا کہ بالآخر محبت پر فرض کے احساس نے فتح پائی تو لطیفی صاحب

اپنے وعدہ کی طرف سے یکسو و مطمئن ہو کر اجتماع کی کاروائی چلانے میں لگ گئے اور کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہونے پائی۔

عبدالرزاق لطیفی صاحب کو میں نے پہلی بار دیکھا تھا اور یہی ان سے میرا پہلا تعارف تھا۔

اس کے چند سال بعد جب لطیفی صاحب حج کے لئے تشریف لے گئے تو بھی میں ان سے ملاقات کرتا رہا۔ اور یہ ان کی شخصیت کی غیر معمولی کشش تھی کہ چند ملاقاتوں کے بعد محسوس ہوا جیسے برسوں کی شناسائی ہے۔ بس یہ تھے اور شفقت کی بھری آنکھوں میں ڈھانپ لیتے تھے۔

لطیفی صاحب سابق ریاست حیدرآباد کے مقام کریم نگر کے رہنے والے تھے اور اپنی عملی زندگی کا آغاز بھی جیسے پارٹی پیشے سے کیا تھا، مگر سے

کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے

کی تڑپ کی بنا پر بہت دنوں اس سے وابستہ نہ رہ سکے جیسے بہت دور تک جانا تھا، ایک جوہری و باخلوص منظم تھا وہ صرف ایک کمرے میں کیسے بند رہ سکتا تھا؟ جلد ہی مرحوم نے جماعت اسلامی ہند کی دعوت اور اس کے پیغام کو لے کر صفت قیام پھر سننے کے لئے اپنے آپ کو لگا دیا۔ اور پھر آخری سانس تک ان کی زندگی اس کام کے لئے وقف رہی ان کا جینا، ان کا مرنا، ان کا اٹھنا بیٹھنا، ان کا قیام و سفر، ان کی خاموشی و گفتگو اور زندگی کی تمام متاع اور کل سرمایہ صرف اللہ رب العالمین کے لئے ہی تھا

حیدرآباد کے ۷۲ء کے اجتماع میں ہی موصوف کا یہ حال ہوتا کہ دن بھر اسٹیج سنبھالے رہتے اور دیگر انتظامی امور میں مصروف رہنے کے بعد رات کو اپنی قیام گاہ کی تنہائی میں دیر تک خدا کے حضور کھڑے ہو کر اپنے رب سے جانے کیا کیا مانگتے رہتے۔

لطیفی صاحب مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا ان کی رحلت وجدائی کو اگرچہ تحریک اسلامی ہند کے رہنماؤں اور وابستگان نے صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرلیا اور کسی کے لب پر اپنے مالک کے حضور کوئی حرف شکایت نہ آیا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کا بچھڑنا تحریک کے لئے زبردست سانحہ اور عظیم نقصان تھا۔

لطیفی صاحب چونکہ ایک وضعدار اور باعزت و باوقار گھرانے کے چشم و چراغ اور ایک شریف النفس انسان کے بیٹے تھے اس لئے ان میں شریف گھرانوں کے عادات کے تمام اوصاف بہت کوٹ کوٹ کر بھرے تھے اور وہ نیکی و شرافت کا مجسمہ تھے۔ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے شفقت و محبت ان کی خاص عادت تھی۔ قیم جماعت اسلامی ہند محترم افضل حسین صاحب مرحوم سے بے حد محبت رکھتے تھے۔ اور بڑی بے تکلفی سے ملتے اور گفتگو کرتے تھے لیکن میں نے مرکز جماعت میں بارہا دیکھا اور محسوس کیا کہ مرحوم قیم صاحب سے نیازمندانہ انداز ہی میں ملتے۔ چھوٹوں کے ساتھ شفقت و محبت کا جو حال تھا اس کا مجھے بھی کئی بار تجربہ ہوا۔ مرحوم کا چھوٹوں کے ساتھ جو سلوک تھا اس کا اندازہ ایک واقعہ سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

جماعت اسلامی ہند کے الیکشن میں حصہ لینے کے مسئلہ پر بنگلور میں جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ کا اہم اجلاس ہونے والا تھا۔ لطیفی صاحب اجلاس سے پہلے مرکز جماعت تشریف لائے ہوئے تھے۔ ایک شام کو مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور بڑی سنجیدگی سے مجھ سے دریافت کیا کہ تمہاری اس مسئلے میں کیا رائے ہے۔ میں نے کہا کہ جب یہ موضوع مرکزی شوریٰ میں غور و خوض کرنے جارہا ہے اس پر میرا اظہار خیال کیا معنی رکھتا ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے۔ میں نے بہت بچنے کی کوشش کی مگر ایک نہ چلی بالآخر میں نے مجبوراً اپنی رائے کا اظہار کیا تو مرحوم کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور مجھے گلے سے لگا کر دیر تک دعائیں دیتے رہے۔

اگرچہ یہ ایک معمولی سا واقعہ تھا لیکن اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرحوم اپنے چھوٹوں کے ساتھ بھی کیا رویہ اختیار کرتے تھے اور چھوٹے لوگوں کو بھی کتنی اہمیت دیتے تھے۔ دراصل ان کی عظیم شخصیت کی یہ بہت بڑی صفت تھی جس کے سبب انہوں نے پورے آندھرا پردیش میں نوجوانوں کی ایک زبردست اور باصلاحیت ٹیم کو اپنے گرد جمع کرلیا تھا۔ اور ان کی نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز کا ہی کمال تھا کہ صرف آندھرا پردیش ہی نہیں بلکہ ان کے تربیت یافتہ ملک کی سرحدوں کو پار کرکے دوسرے بڑے علاقوں میں بھی گئے

تو کھول دیے۔ وہاں بھی تحریک اسلامی ہی کا پرچم بلند کیا۔ شاید یہ بات کم ہی لوگوں کو معلوم ہوگی کہ جب مرحوم کا انتقال ہوا تو پاکستان سے لیکر امریکہ تک جگہ جگہ تعزیتی جلسے ہوئے اور اسلام کی سربلندی کے لیے کی گئی ان کی خدمات کی قبولیت کی دعائیں کی گئیں۔

لطیفی صاحب زبردست تنظیمی صلاحیت کے مالک تھے ان کے بارے میں یہ بات مشہور ہے اور حقیقت ہے کہ وہ بلند سے بلند سطح کے لوگوں سے خواہ کوئی دینی رہنما ہو، سیاسی لیڈر بے جھجک ملتے تھے۔ اگرچہ جماعت اسلامی ہند پارٹی سیاست میں حصہ نہیں لیتی ہے لیکن سیاسی لیڈروں سے بھی ان کے بہت اچھے تعلقات تھے اور ضرورت پڑنے پر وہ ملکی و ملی مسائل میں ان سے برابر کی سطح سے گفتگو کرتے تھے۔

مرحوم زبردست مقرر بھی تھے اور اپنی بات کو دلائل اور جرأت کے ساتھ پیش کرنے کا انہیں خاص ملکہ حاصل تھا۔ ان کی تقریری صلاحیت کے اجاگر ہونے کا واقعہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ حیدرآباد میں اپنے وقت کے عظیم مقرر نواب بہادر یار جنگ صاحب کو جلسہ میں تقریر کرنا تھی۔ کافی انتظار کے بعد بھی جب مرحوم کسی وجہ سے نہ آ سکے تو مجمع بے چین ہونے لگا۔ جسے سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا، بعض حضرات نے لطیفی صاحب کو تقریر کرنے کے لیے کھڑا کر دیا۔ بہادر جنگ صاحب کسی وجہ سے تشریف نہ لا سکے اور لطیفی صاحب حیرت [illegible] گھنٹے سے زیادہ بولتے رہے اور مجمع بہادر یار جنگ صاحب کو بھول کر انتہائی خاموشی اور انہماک کے ساتھ لطیفی صاحب کو سنتا رہا۔ تقریر ختم ہوئی تو کسی کو بھی بہادر یار جنگ کے نہ آنے کی شکایت نہ رہی۔ اللہ کرم کرے اور توجہ لطیفی صاحب کے ذریعہ [illegible] انہیں دو آتشہ کو بھی رکھی۔

موصوف کی تقریر کی ہی بدولت جماعت کے پلیٹ فارم سے جمع ہو گئی تھی۔ حیدرآباد کے مخصوص روایتی انداز میں جماعت کی دعوت اور اس کے پیغام کو ایسے حسین و دلکش اور مؤثر انداز میں پیش کرتے کہ سننے والے کے لئے اسے قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نظر نہ آتا۔ نوجوانوں کو ایسے بڑا سے بڑا جمع اور تحریک اسلامی کے لئے انہیں [illegible] میں احسان اللہ کی نظر میں مقبول شخصیت و محبت سے کام لیا۔ ان کی تقریروں نے کتنے ہی نوجوانوں کی زندگیوں کا رخ حق کی طرف موڑ دیا۔

دلائل، دلسوزی اور جاذبیت سے بھرپور ان کی تقریروں کی یاد آج بھی ہزاروں نوجوانوں کے ذہنوں کو گرماتی رہتی ہوگی۔

موصوف کو اللہ تعالیٰ نے بڑا دردمند دل دیا تھا۔ ملت کی زبوں حالی پر تڑپتے ہوئے اور ان کے اندر جاری رہنے والی اضطراب کی کیفیت سے کیا انہیں بار بار دکھی ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہی احساس تھا جس کی بنا پر وہ ملت میں اتحاد کے زبردست داعی اور سب کو ساتھ لے کر چلنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ یہی جذبہ تھا کہ حیدرآباد کی تنظیموں اتحاد المسلمین اور تعمیر ملت کے اکابر سے لیکر کل ہند سطح کی تنظیم آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت اور دیگر مسلم سیاسی و دینی تنظیموں کے رہنماؤں سے ان کے بہت قریبی اور دوستانہ تعلقات تھے۔ لوگوں کو جوڑ کر ساتھ لے کر چلنے کا انہیں غیر معمولی سلیقہ تھا۔ ان کی اس روش کی بنا پر دوسری تنظیموں اور پارٹیوں کے افراد کے دلوں میں بھی لطیفی صاحب کی بہت زیادہ قدر و منزلت تھی۔

لطیفی صاحب کو منصوبہ بندی اور اس کو عملی جامہ پہنانے کی بھی بہت زیادہ صلاحیت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی۔ اس کا اندازہ مجھے ان موقعوں پر ہوا جب وہ جماعت کے میقاتی پروگرام کے لئے پروگرام بنانے کی نشستوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اس کے لئے خود جماعت اسلامی آندھرا پردیش کے وہ منصوبے بھی موصوف کی اس صلاحیت کی شہادت دیں گے جو ان کے زمانے میں بنے تھے۔ دعوتی کام سے لیکر خدمت خلق کی ایک ایک شق کو وہ اس طرح کھول کر رکھتے اور اتنی وضاحت سے پیش کرتے تھے کہ پوا اس کی تفہیم کی کمی ہر رکن محسوس کرتا تھا اس پر عمل کرنا آسان ہو جاتا تھا۔

ان کے زمانہ امارت کی ان رپورٹوں کو بغور کہ وہ مرکز جماعت بھیجا کرتے تھے دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں پروگرام بنانے ہی سے دلچسپی نہیں ہوتی تھی بلکہ ان پر عمل درآمد کی بھی ان کو خیر بھری فکر ہوتی تھی وہ کوشش کرتے تھے کہ ضلعے کی بکھری ہوئی آبادیوں میں جماعت کے پروگرام کی ایک ایک شق پر عمل ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس پہلو سے پورے ملک میں جماعت اسلامی ہند کا کام صوبہ آندھرا پردیش میں سب سے بہتر تھا (اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے) تو شاید غلط نہ ہوگا اور اس کا کریڈٹ عبدالعزیز لطیفی صاحب مرحوم کو جاتا ہے۔ لطیفی صاحب

سید ابو الفضل
نیاز

حاجی وی پی محمد علی

تحریک اسلامی کے ایک جانباز سپاہی

اس دنیا میں ہزاروں انسان روزانہ پیدا ہوتے ہیں اور دنیائے فانی سے کوچ کر جاتے ہیں ان میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کی زندگی کا مقصد "بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" ہوتا ہے اور کچھ ایسے بھی افراد ہوتے ہیں جو آیت قرآنی "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" کو اپنا مطمع نظر بنا کر زندگی گزارتے ہیں اور شہادت حق کی جو عظیم ذمہ داری امت مسلمہ پر عائد کی گئی ہے اس کی ادائیگی میں اپنے تن من دھن کی بازی لگا دیتے ہیں۔ حاجی وی۔ پی محمد علی کا شمار ایسی ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کو پوری کائنات میں پھیلانے اور حکومت الٰہیہ کو قائم کرنے میں اپنی پوری کوشش اور صلاحیتیں صرف کر دیں۔

انہوں نے بیسویں صدی کے وسط میں پورے کیرالا کے عوام میں اسلامی انقلاب کی روح پھونکی اور ان کے ذہنوں کو اسلام کے سلسلے میں مختلف قسم کے شکوک و شبہات سے پاک کیا اور جماعت اسلامی ہند کی ایک شاخ قائم کر دی۔

پیدائش :- حاجی محمد علی کی پیدائش ۱۹۱۲ء میں ضلع ملاپرم Malappuram تعلقہ بمقام [illegible] نامی ایک گاؤں میں ہوئی۔ ان کا خاندان بہت شریف اور مذہبی اقدار کا پابند تھا۔ ان کے والد حاجی ولی بھی تقویٰ اور پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے سینے میں اسلام کا بے پناہ درد اور دین سے بہت زیادہ لگاؤ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے لڑکوں کو دینی تعلیم دلانے کے خواہشمند رہے اور علمی اور فقہی مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ ان کی والدہ فاطمہ، چنگو کچھلی کٹی کی بیٹی تھیں، جن کا تعلق [illegible] سے تھا۔

خاندان سے تھا۔ حاجی صاحب کے تین بھائی اور تین بہنیں تھیں۔

تعلیم و تربیت :- چونکہ ان کے والد محترم کو مذہبی اور دینی تعلیم سے زیادہ دلچسپی تھی اس لئے اپنے بیٹوں کو بھی اس کی طرف مائل کیا چنانچہ حاجی صاحب نے گاؤں کے ایک مدرسہ میں درجہ چہارم تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد ان کے والد محترم نے متعدد مسجدوں میں دینی علم حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کیرالا میں تقریباً تمام مسجدوں میں تعلیم کا بندوبست ہے طلبہ مختلف خطوں سے وہاں قیام کرتے ہیں اور تعلیم حاصل کرتے ہیں) اور انہماک کے ساتھ مختلف اساتذہ اور شیوخ سے اکتساب فیض کرتے رہے۔ حصول علم کا یہی جذبہ اور تڑپ تھی کہ وہ بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہو گئے۔ جہاں ان کو سماجیات، سیاست، اور معاشیات کا گہرا علم تھا، وہیں وہ تقریر اور تحریر کے میدان میں بھی ایک امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔

خانہ کعبہ کی زیارت :- حاجی صاحب کو پوری زندگی میں تین مرتبہ حج کا شرف حاصل ہوا۔ سب سے پہلا حج ۱۸ سال کی عمر میں اور آخری حج ۱۹۵۵ء میں ادا کی۔ پہلے حج کے سفر کی داستان بہت ہی دلچسپ ہے، جب وہ ملبجری [illegible] میں علم حاصل کر رہے تھے تو بالاتفاق امام غزالی کی ایک کتاب احیاء العلوم ہاتھ لگی جس نے ان کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔ خدا ترسی، ریاضت و زہد، تقویٰ اور پرہیزگاری کی صفات اور زیادہ پیدا ہو گئیں۔ ان کا بیشتر وقت ذکر خداوندی اور یاد الٰہی میں گزرنے لگا اور خانہ کعبہ کی زیارت کی تمنا پیدا ہوئی۔ چنانچہ ایک دن صبح کو مسجد سے نکلے اور اپنے ساتھ احیاء العلوم لیکر سفر کا آغاز کر دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ مکرمہ کا سفر کرنا بہت زیادہ دشوار تھا اور آج کی طرح سہولیات میسر نہیں۔ حاجی صاحب کو اس بات کا اچھی طرح علم تھا کہ ان کے والدین اتنے دور اور خطرناک سفر کی اجازت نہیں دیں گے اسی لئے اس نیک ارادہ سے کسی کو مطلع نہیں کیا اور خدا پر توکل کر کے اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگے کچھ راستہ پیدل طے کرتے کچھ دور ٹرین سے سفر کرتے اگر دوران سفر ان کو کوئی کام مل جاتا تو اپنی ضروریات زندگی

مکمل کرنے کے لئے اس کو قبول کرتے۔ شدید محنت اور جانفشانی کے بعد وہ بمبئی پہونچے۔

اسی طرح جب کئی مہینے گزر گئے اور وہ گھر نہیں پہونچے تب گھر والے بہت زیادہ پریشان ہو گئے اور ان کے والد نے اپنے بڑے لڑکے ابو بکر کو تلاش کرنے کے لئے بھیجا۔ [illegible] بمبئی پہونچنے کے بعد پتہ چلا کہ محمد علی مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔ بہر حال ابو بکر بھی تلاش کرتے ہوئے کسی طرح بمبئی پہونچے اور ان کی ملاقات بمبئی کے ایک امام سے ہوئی انہوں نے بتایا کہ کچھ دنوں پہلے محمد علی نام کا ایک لڑکا میرے ساتھ رہتا تھا اب شاید وہ کسی کے ساتھ مکہ مکرمہ چلا گیا ہے۔

ابو بکر اپنے بھائی کی واپسی کا شدت سے انتظار کرتے رہے اور اس طرح دو سال گزر گئے۔ جب دو سال کے بعد مکہ مکرمہ سے حاجی محمد علی واپس ہوئے تو اپنے سفر کی روداد سنائی۔ جہاز [illegible] بیابان اونٹ پر سوار ہوا اور شہر مقدس میں اتر گیا۔ اور دھوپ کی شدت نے عرب کی ریتیلی زمین کو کافی گرم کر دیا چنانچہ سایہ کے تلے میں آرام کرنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر قصد سفر کیا لیکن جب منزل مقصود پر پہونچے [illegible] آئی تب مختلف سورتوں کی تلاوت شروع کر دی۔ بدن میں کچھ قوت محسوس ہوئی۔ چلنے کے دوران [illegible] اپنی ٹھوکری اور چپل کو ایک بار محسوس کیا اور اسے پھینک دیا۔ خدا خدا کر کے حرم شریف میں داخل ہوا اس وقت خوشی و مسرت کی انتہا نہ رہی۔

حج کرنے کے بعد وہ دو سال تک حرم شریف میں رہے اور علماء و مشائخ سے برابر قرآن اور حدیث کا درس لیتے رہے۔

ابو بکر نے اپنے بھائی کی زبان سے جب روداد سفر سنی تو ان کے اندر بھی خانہ کعبہ کی زیارت کی تڑپ پیدا ہوئی اور اس کی تکمیل کے لئے کمربستہ ہو گئے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی محمد علی کے اندر للہیت، قربانی اور جانثاری کا عظیم جذبہ تھا اور قرآن و حدیث کا علم سیکھنے کے لئے کس قدر بے چینی تھی۔

ایک دلچسپ واقعہ: امام غزالی کی کتاب "احیاء العلوم" سے متعلق ایک عجیب واقعہ

ہے جو کہ راقم تحریر [illegible] کے ساتھ پیش آیا۔

ایک مرتبہ جب وہ جماعت اسلامی کے دفتر سے اس کتاب کو مطالعہ کی غرض سے لینے کے لئے آئے تو یہ بہت ہی ضخیم اور وزنی معلوم ہوئی کیونکہ حاجی صاحب نے اس کی دو جلدوں کو ایک ساتھ مجلد کر دیا تھا۔ انہوں نے اس کی دونوں جلدوں کو علیحدہ کرنے کی گزارش کی اس پر وہ بہت برہم ہوئے اور کہا کہ تم کتنے کاہل اور آرام طلب ہو کہ اس کتاب کو اٹھانے میں دقت محسوس کرتے ہو حالانکہ میں نے اس کو اپنے سر پر لے کر بمبئی تک کا سفر کیا ہے۔ اس کے بعد اس کتاب اور مصنف کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

مکہ مکرمہ سے واپسی کے بعد حاجی مرحوم نے اپنی قوم کی اصلاح و تربیت اصلاح قوم [illegible] شروع کر دی۔ اس زمانے میں مسلمانوں کے اندر جہالت، تنگ نظری، تعصب اور قبر پرستی عام تھی۔ کفر و الحاد کے گھنے بادل چھائے ہوئے تھے انہوں نے تمام ان عناصر کے خلاف جہاد کیا اور عوام کو دین اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ جو علماء و غریب طبقہ کا استحصال کر کے زندگی گزار رہے تھے ان کی دکانیں [illegible] دیں۔ یہاں تک کہ [illegible] حاجی صاحب عوام میں بہت زیادہ مقبول ہو گئے۔ [illegible] کا یہ عالم تھا کہ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ حاجی صاحب تقریر کریں گے تو لوگ [illegible] جمع ہو جاتے۔

تحریک علم کا فروغ: [illegible] کے لئے [illegible] مسجدوں کا [illegible] دار السلام [illegible] میں باقاعدہ داخلہ [illegible] اور افضل العلماء کا امتحان پاس کیا۔

[illegible] کی روداد: واقعہ [illegible] ایک [illegible]

فرائض [illegible] کی برابر خدمت کرتے رہے [illegible] مولانا [illegible] کا ایک رسالہ "ترجمان القرآن" نکلتا [illegible] نے ہندوستانی مسلمانوں کے طرز عمل پر [illegible] کی تھی۔ اوہام پرستی، تعصب اور تنگ نظری کے خلاف [illegible]

لگے تھے اور اس وقت کی مختلف مذہبی سیاسی تنظیموں اور ان کی سرگرمیوں پر تبصرے شائع ہو جاتے
تھے حاجی مرحوم ان کی تحریر اور انداز فکر سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ۔ اور جس چیز کی
تلاش میں تھے ان کو مل گیا ۔ تعمیری مضامین کا سلسلہ جاری رہا اور ایک صالح جماعت
کی ضرورت مودودیؒ نے ایک مضمون لکھا جس کو اپنی فکر و نظر کے کافی پسند کیا اور حاجی
مرحوم نے اسلامی تحریک کی تشکیل میں بہت زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ کیا چنانچہ جماعت اسلامی
کی بنیاد ۱۹۴۱ء میں پڑی حاجی صاحب ایک سرگرم اور فعال رکن کی حیثیت سے مصروف
عمل ہو گئے مودودیؒ سے خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ قائم رکھا اور دعوتی سلسلے میں رائے و مشورے
حاصل کرتے رہے ۔ مودودیؒ اس وقت پٹھان کوٹ میں شہادت حق کا فریضہ انجام دے
رہے تھے اس لئے ان کی زیارت اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کے لئے اپنے ساتھ
ایک جھولا اور کچھ کپڑے لے کر شمال کی طرف نکل پڑے راستے میں مختلف پریشانیوں کا
سامنا کرنا پڑا لیکن پھر بھی اللہ پر توکل اور اعتبار کر کے اپنے آپ کو ثابت قدم رکھا حاجی صاحب
فرماتے ہیں کہ میں اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے ایک کارخانے میں کام کرتا تھا اچانک میری
طبیعت خراب ہو گئی اور شدید محنت و جانفشانی کی وجہ سے تقریباً ۲۱ روز تک بخار میں مبتلا رہا
نقاہت بے انتہا بڑھ گئی

مولانا مودودیؒ کی صحبت میں :۔ ابھی مکمل طور سے شفایاب بھی نہ ہوئے تھے کہ خبر ملی کہ
مولانا مودودیؒ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ایک قریبی علاقہ میں آئے ہوئے ہیں ان کی بے چینی
اور اضطراب میں مزید اضافہ ہو گیا اور بیماری کی حالت ہی میں مودودیؒ سے ملاقات کرنے کے
لئے چلے گئے جب جائے قیام پر پہنچے اور اپنا تعارف کرایا تو مودودیؒ نے گلے لگا لیا
اور ان کی آنکھوں سے خوشی کے چند قطرے آنسو بہہ پڑے ۔
اس طرح ان کے ہمراہ حاجی محمد علی دارالاسلام پٹھان کوٹ پہنچے وہاں کی لائبریری،
درسگاہ، دفتر، اشاعت گھر، مسجد، مہمان خانہ اور دوسری تمام چیزیں دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہوئے
تقریباً ڈیڑھ سال تک مولانا مودودیؒ سے فیض حاصل کرتے رہے اور دعوت اسلامی کا

اچھا خاصا تجربہ حاصل ہو گیا ۔
۱۹۴۳ء میں کیرلا واپس آئے اور تبلیغ و دعوت کی رفتار تیز کر دی ان کی محنتوں اور
کاوشوں کا ثمرہ ہے کہ آج کیرلا میں جماعت اسلامی بہت زیادہ مقبول ہے اور روز بروز اس
کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے ۔ آج سے چند سال پہلے جب اسلام کو ایک فرسودہ نظام
تصور کیا جاتا تھا اور مسلمانوں کو قدامت پرست کہا جاتا تھا اس وقت انہوں نے اسلام
کو ایک مکمل نظام حیات کی شکل میں پیش کیا اپنے عیش و آرام کو چھوڑ کر محض رضائے الٰہی
کی خاطر صراط مستقیم کی طرف لوگوں کو بلاتے اور جب اسلام پرستوں کا حلقہ وسیع ہو گیا تو
جمعیۃ المرشدین کی ایک تنظیم قائم کی جس کا مقصد عوام کو اسلامی طرز پر زندگی گزارنے
کے طریقوں سے آگاہ کرنا تھا جب ذہن میں کچھ پختگی آ گئی تو ان کو جماعت اسلامی میں منتقل
کر دیا ۔

ایڈیٹر :۔ حاجی صاحب کے اندر اللہ تعالیٰ نے مختلف صلاحیتیں جمع کر دی تھیں جہاں
وہ ایک سحر البیان مقرر تھے وہیں صحافت اور تحریری میدان میں بھی
اعلیٰ مقام رکھتے تھے اسی خوبی کی وجہ سے مقامی پندرہ روزہ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے
اور انہوں نے اس فن کا صحیح استعمال کیا۔ متعدد مقالے اور مضامین بھی لکھے جو آج بھی
شاہکار تسلیم کئے جاتے ہیں۔ بہت سی اردو کتابوں کا ملیالم زبان میں ترجمہ کیا۔

مفکر :۔ حاجی صاحب اپنی زندگی کے ایک کامیاب لیڈر اور مفکر بھی تھے جب بھی
کوئی مسئلہ پیدا ہوتا تو اپنی سوجھ بوجھ اور دانائی سے اس طرح حل کر دیتے گویا کوئی مسئلہ
ہی نہیں تھا۔ دعوتی میدان میں جتنے بھی کارکن تھے ان کی خوبیوں اور صلاحیتوں کے اعتبار
ہی سے کوئی عہدہ سپرد کر دیتے تھے ۔ اگر کوئی خامی یا کمی نظر آتی تو اس کو بطریق احسن دور
کر دیتے ۔ یہ ان کی بالغ نظری اور بصیرت ہی تھی کہ پہلے وہ عوام کی ذہنی بیماری کا پتہ
لگا کر وہ نسخہ کیمیا پیش کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔
حاجی صاحب ہر معاملے میں خدا پر توکل کرتے مگر کسی اہم ضرورت کے وقت فکر و تدبر سے

لے جاتے تو اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیتے۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا

تعلیمی نظریہ:۔ حاجی صاحب بہت بڑے تعلیمی تھے انہوں نے بہت مدارس اور اسکولوں کے تعلیمی تقاضوں اور کمزوریوں کو محسوس کیا یہ اس وقت کوئی ایسا ادارہ یا کالج نہیں تھا جس میں دینی اور دنیوی دونوں طرح کی تعلیم دی جا سکے چنانچہ انہوں نے ایسے ادارے کی شدت سے ضرورت محسوس کی اور اس کے لئے بے پناہ جدوجہد اور تگ و دو کی نتیجہ کے طور پر ایک اسلامیہ کالج کی بنیاد پڑ گئی جو آج بھی شاد و آباد ہے ہمارے علاقے میں موجود ہے یہ کالج حد درجہ بہترین طریقے سے جدید علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم پڑھا رہا ہے جس سے بھی اتفاق کیا جاتا ہے کہ دونوں کے بعد ابھی کی زندگی میں دو ادارے اور قائم ہو گئے جن کو دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوتی ہے۔

وفات:۔ یکم اکتوبر ۱۹۹۵ء میں کوہاٹ میں ( ) میں تربیتی پروگرام شروع ہوا جس میں وہ شرکت کرنے کی غرض سے جا رہے تھے اچانک جسم کے ایک حصے میں درد پیدا ہوا اور تاب نہ لا کر زمین پر گر پڑے۔ ان کو مقامی اسپتال میں داخل کیا گیا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ دوسرے ہی روز کمبائنڈ ملٹری ہسپتال منتقل کر دیا گیا پھر بھی ہر دو میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ اور وہ اللہ کو پیارے ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اعجاز احمد فاروقی

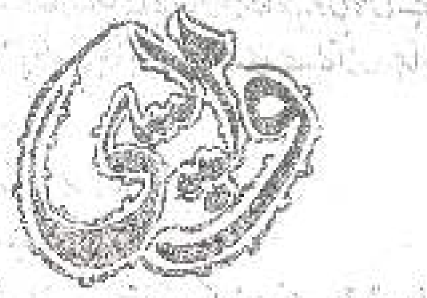

ایک انتہائی کہانی جس میں جوش کے ساتھ جذبہ بھی سمٹ آیا ہے۔

زیتون خانم اپنی بوڑھی عمر میں ایک تکلیف کو بہت شدت سے محسوس کر رہی تھی اور وہ تھی بینائی کی کمزوری۔ اس کا خصوصی اثر یہ تھا کہ وہ خط نہ پڑھ سکتی تھی۔ باقی روزمرہ کے کاموں میں بینائی کی کمزوری کسی طرح حارج نہیں تھی۔ جب بیٹے کا خط آتا تو وہ اسی ڈاکیے سے ہی پڑھوا کر سن لیتی تھی۔ گاؤں کی چند آبادی میں کوئی پڑھا لکھا فرد نہیں تھا اور جو تھے ان کے پاس جا کر وہ زیتون خانم کو اچھا نہ لگتا۔ ڈاکیہ عبدالجلیل ہی سہارا تھا۔ صرف زیتون خانم ہی کے نہیں باقی ضرورت مندوں کے بھی خطوط پڑھ دیا کرتا تھا۔

آج وہ آواز دے کر چلا گیا تھا کہ علاؤالدین کا خط آیا ہے اور آج وہ چھٹی سے معذور ہے کیونکہ جنگ کی وجہ سے ڈاک بہت جمع ہو گئی ہے اور اسے بہت کام کرنا ہے اور یہ خط بھی چند روز بعد کا پرانا خط ہے۔

خط زیتون خانم کے ہاتھ میں تھا اور دل میں بے چینی تھی کہ فوراً اسے علاؤالدین کے خیر و عافیت سے آگاہی ہو جائے گاؤں میں ایسا کوئی فرد موجود نہیں تھا جو اس کی مسیحائی کرتا اور خط پڑھ دیتا۔ گاؤں کے تمام مرد کھیتوں میں کام کر رہے تھے ان ہی میں کچھ خواندہ نوجوان بھی تھے۔

چنانچہ وہ کابل جانے والی سڑک پر آ گئی اس کا خیال تھا کہ شاید وہاں کوئی مسیحا مل جائے گا اور فی الواقع وہ مل گیا۔ سڑک پر ایک سایہ دار درخت کے نیچے ایک فوجی جیپ کھڑی تھی اس میں وردی میں سپاہی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے زیتون خانم کو

قریب جا کر کہا "یہاں کہیں تربوز مل جائے گا؟"

زیتون خانم نے روسی زبان میں کہا "کیا آپ کچھ لکھ پڑھ سکتے ہیں؟"

"ہاں مگر تربوز کے لیے لکھنے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تربوز میں لا دوں گی، میرے بیٹے علاؤ الدین کا خط آیا ہے یہ پڑھ دو گے؟"

"بالکل پڑھ دیں گے۔ لاؤ مجھے دو۔"

زیتون نے ممنون ہو کر خط روسی سپاہی کو دے دیا۔ اس نے خود پڑھا پھر اس کا مضمون اسے بتانے لگا۔

"یہ تمہارے بیٹے کا خط نہیں ہے یہ اس کے ایک دوست کا خط ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ تمہارا بیٹا جنگ میں زخمی ہو گیا ہے۔ ہسپتال میں زیر علاج ہے اس نے دو ہزار افغانی روپے منگوائے ہیں۔ یہ رقم اسے اپنے علاج کے لیے چاہئیں اسے یہ رقم فوری درکار ہے۔ اگر آپ کے پاس رقم ہے تو لے آئیے ہم آپ کو کابل کے اس ہسپتال میں پہنچا دیتے ہیں جہاں علاؤ الدین ہے۔"

سب کچھ سن کر زیتون خانم کے ہوش اڑ گئے۔ اس نے بڑی تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "علاؤ الدین تو مکہ مکرمہ میں ملازم ہے۔ وہ جنگ پر کہاں چلا گیا۔ پچھلے خط میں تو اس نے لکھا تھا کہ عنقریب وہ آ رہا ہے۔"

روسی سپاہی نے کہا "اس کے دوست نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ دونوں گزشتہ مہینے جنگ میں شریک ہیں وہ تندرست ہے لیکن علاؤ الدین زخمی ہے۔"

"اس کے دوست نے اپنا نام کیا لکھا ہے؟"

"ہاشم"

"اس نام کا تو کوئی آدمی اس کا دوست نہیں ہے۔"

"ممکن ہے کوئی نیا دوست ہو، عرب ہو۔"

"ہاں یہ ممکن ہے، لیکن کوئی عرب یہاں جنگ میں کیسے شریک ہو سکتا ہے؟"

"مسلمان بڑی جھوٹی قوم ہے خوشامد میں آ کے ہر قسم کی حرکتیں کر گزرتی ہے۔"

"میں نہیں مانتی، ہم مسلمان ہیں میں جانتی ہوں کہ میری قوم جھوٹی نہیں ہے۔"

"تمہارا بیٹا اگر جھوٹا نہ ہوتا تو زخمی کیوں ہوتا؟ آپ رقم جلدی سے لے آئیں ہم آپ کو ہسپتال پہنچا دیتے ہیں۔"

"رقم تو میں [illegible] ......"

"وقت ضائع نہ کرو، اگر جلدی ہے تو جلدی کرو۔"

"اچھا" یہ کہہ کر زیتون خانم ایک مسرور اور متذبذب کیفیت کے ساتھ بڑے بوجھل انداز میں اپنے گاؤں کی طرف چلی۔ سپاہی نے چیخ کر کہا "معزز خاتون! بہت جلدی۔"

عین اسی وقت ایک بس آ کر رکی۔ اس میں سے ایک مسافر اترا۔ نوجوان اور ہلکے پھلکے سامان کے ساتھ۔ پھر اس کا رخ بھی ادھر تھا جدھر زیتون خانم جا رہی تھی۔ زیتون خانم نے قدموں کی چاپ سنی تو خیال کیا کہ شاید روسی اس کے پیچھے آ رہے ہیں اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"میرے پیچھے آنے کی کیا ضرورت ہے؟"

نوجوان مسافر ٹھٹھک کر رہ گیا "امی! آپ مجھے لینے کیوں آئی ہیں؟ میں نے خط میں خاص طور سے منع کیا تھا۔"

زیتون خانم نے مسافر کو دیکھا تو زور سے چیخی۔

"علاؤ الدین میرے بیٹے ...... تم ...... زخمی ...... یہاں"

وہ جذبات کی رو میں اپنا جملہ مکمل نہ کر سکی۔

پھر چشم زدن میں بیٹے نے ماں کو اٹھا لیا اور مارے خوشی کے اس کے چکر لگانے شروع کر دیئے۔ زیتون خانم بے اختیار رو رہی تھی وہ علاؤ الدین کو مسلسل چوم رہی تھی۔

روسی سپاہی موقع کی نزاکت سمجھ گئے تھے۔

چند منٹ کے بعد جب ماں بیٹا الگ الگ ہوئے تو زیتون خانم نے ایک عجیب کیفیت کے ساتھ پاس کھڑی جیپ کی طرف دیکھا اور پھر دیکھتی رہ گئی جیپ بہت آگے جا چکی تھی۔

زیتون خانم نے چلا کر کہا "سنگدلو! ذرا رکو۔"

علاؤالدین نے پوچھا "کون ڈاکو؟"

"وہ جو جیب میں تھے۔"

"وہ تو فوجی سپاہی تھے۔"

"نہیں، وہ دھما ترت اور ڈاکو تھے میں تمھیں بتاتی ہوں۔"

علاؤالدین ماں کی باتیں سن کر کچھ سوچنے لگا۔ ماں دونوں بعد ملنے والے بیٹے کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ اس نے بات پلٹی "تیرا سامان کہاں ہے؟"

"میں کابل میں قوم کے گھر چھوڑ آیا ہوں۔ راستے میں بھی کھانا کھا کر میں سامان قوم کے پاس چھوڑ آیا ہوں گا۔ وہ شام کو سامان لیکر آ جائے گا۔ وہاں بہت جا پہنچو وہ روسی پکڑ کر نکل بھاگے۔"

ماں نے کہا "بہت اچھا ہوا کہ وہ دفعان ہو گئے۔"

"اچھا تو صبح چھوڑو ہم وہ افغانستان سے نکل جائیں گے۔"

ہندوستان کے تمام مسلمان بھائیوں کو
[illegible]
نئی صدی مبارک ہو
[illegible]
ہر قسم کے رنگین [illegible] سامان کے [illegible]
[illegible] شیشہ وغیرہ کے لئے تشریف لائیں
[illegible]
۱۲۳۵ [illegible] / ۱۳ [illegible]

ملت کے جوانوں کے نام

نکہت چمن ہو بوئے گلستاں تمہی تو ہو
بزم وطن میں رونق عرفاں تمہی تو ہو
اسلام کی جبین درخشاں کو تم پہ ناز!!
اہتمام حق کی زوج درخشاں تمہی تو ہو
بے تابی جنوں کی ہو دلچسپ داستان
دور خزاں میں اس کا اب عنواں تمہی تو ہو
قوم و وطن کی عظمت اسلام کو تمہاں
اس دور کے فروغ میں خنداں تمہی تو ہو
آرزو کے شوق ہو تم انتہائے عشق
سچ پوچھئے تو زیست کا ساماں تمہی تو ہو
اے آسمان دین کی تابندہ مشعلو!
رہ حیات کی فروزاں تمہی تو ہو!!
معصومیت کے پیکر حسن و دلکشو!!
احساس کا شوق فراواں تمہی تو ہو
بدنو، نظام زندگی، الٹو بساط عیش
دشت ستم میں قوت طوفاں تمہی تو ہو

عبداللہ شاکر

کینیا

عبدالباری فلاحی

دوشیزاؤں کو سنگینیں گھونپی گئیں

کینیا کا شمالی مشرقی صوبہ مسلمانوں کی آبادی پر مشتمل ہے لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد جب انگریز اپنے زیر تسلط علاقوں کو آزاد کر رہے تھے اسی وقت اس کو بھی آزاد کیا گیا اور اسے مسلم اکثریت کے ملک صومالیہ کے حوالہ کرنے کے بجائے کینیا کو دے دیا گیا جو اب کینیا کا "مشمالی سرحدی صوبہ" کہلاتا ہے کینیا کی متعصب عیسائی حکومت نے ہمیشہ "شمالی سرحدی صوبہ" کی مسلم آبادی کو ظلم وستم کا ہدف بنایا اور ہر معاملہ میں تعصب کی نظر سے دیکھا اس کے باوجود صومالیہ نے صرف ایک مرتبہ اشارۃً اس علاقے کے مسلمانوں پر کینیا کی بربریت اور استبداد کے خلاف احتجاج کیا ورنہ گریز۔ دس سال یا اس سے زیادہ عرصہ تک یہ علاقہ باہر کی دنیا کے لئے پرامن و پرسکون رہا۔

ابھی تازہ واقعہ پچھلے ماہ نومبر ۱۹۸۰ء میں صوبائی دارالحکومت جریسا (جس کی آبادی تقریباً دس ہزار ہے) ۱۰ افراد موت کے گھاٹ اتار دیے گئے جس کی وجہ سے مرکزی حکومت نے اس صوبہ میں ہنگامی حالات کے نفاذ کا اعلان کر دیا مزید برآں نفسیاتی صومالیوں کو "آزاد سیکورٹی ویلیج" (Border Villages) میں منتقل کرنے کی مہم شروع کر دی۔ متاثرین نے حکومت پر یہ الزام بھی عائد کیا کہ صومالیہ کے حامی شکستہ خوردہ چھاپہ مار کانفرنس کر رہے ہیں اور ان کو پناہ دے رہے ہیں۔ اس بات پر کینیا کی پارلیمنٹ میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ ان لوگوں کو علاقہ سے نکال دیا جائے۔ اور اس صوبہ کے ایک ایم پی نے حکومت پر یہ الزام لگایا کہ کینیا کی فوج نے تقریباً تین سو افراد کو ہلاک کر ڈالا ہے لیکن ان لوگوں کو اس وجہ سے بحث کرنے کی اجازت نہیں دی گئی کہ ممبران کی حمایت نہیں حاصل تھی۔

درج ذیل مضمون میں صومالی مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے گئے ہیں ان کی ایک جھلک پیش کی جا رہی ہے جس کو جریسہ کے ستم رسیدہ مسلمان نے خود مشاہدہ کر کے قلمبند کیا ہے۔

نومبر کی دس تاریخ تھی اتوار کا دن تلاوت کے بارہ بج رہے تھے سارا علاقہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور آرام و سکون کی گھڑی تھی چند سو رہے تھے کہ اچانک جریسہ (Garissa) شہر آگ کی زد میں آ گیا ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا کسی نے سوئچ (Switch) دبا دیا ہو اور یک لخت آگ کے شعلے بھوٹ پڑے ہوں۔ آگ کی لپٹیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ اس خوفناک منظر سے گھبرا کر ہزاروں افراد اپنا سارا اثاثہ چھوڑ کر پناہ کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑ رہے تھے کچھ جریسہ کے قبائلی علاقے کی طرف گئے اور کچھ صومالیہ کے بارڈر کی طرف بھاگے۔ نفسا نفسی کا عالم تھا ہر شخص سراسیمہ اور پریشان تھا اور اس آفت سے نجات حاصل کرنے کے لئے فکرمند ہی تھا کہ کچھ صدائیں آنے لگیں۔ لرزہ خیز اگر دینے والی اور دردناک صدائیں۔ اس وقت یہ اعلان کیا جا رہا تھا کہ کوئی شخص شہر سے باہر قدم نہیں نکال سکتا اور تمام لوگ ادھر ادھر بھاگنے کے بجائے دوسرے روز صبح (۲۱ نومبر ۱۹۸۰ء) جریسہ کے پرائمری اسکول کے پارک میں جمع ہو جائیں۔

یہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا شمالی سرحدی صوبہ کے دارالحکومت جریسہ کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا پلان تھا جس پر عمل درآمد ہو رہا تھا کیونکہ چند نامعلوم حملہ آوروں نے چند افراد کو ہلاک کر دیا تھا جن میں سے کچھ پولیس تھے اور کچھ دیگر سرکاری ملازم۔

اعلان کے مطابق دوسرے دن کی صبح کو تمام لوگ پارک میں جمع ہوئے اور جو لوگ چلنے پھرنے اور حرکت کرنے سے معذور تھے ان کو بھی زبردستی مارتے پیٹتے اور گھسیٹتے ہوئے میدان کی طرف لایا گیا اس طرح ہزاروں مرد و عورت، نوجوان اور بوڑھے بیمار و ہر طرح کے لوگوں کا مجمع لگ گیا۔ کچھ نیم بسمل تھے۔ کچھ بندوق کی گولیوں کا نشانہ بن گئے اور کتنے ایسے تھے جن کے زخموں سے خون رس رہا تھا اور تکلیف سے کراہ رہے تھے۔ یہ فعل کینیا کی ملٹری اسٹاف کے لوگ انجام دے رہے تھے۔ ہزاروں کا مجمع تپتی ہوئی دھوپ اور چلچلاتی گرمی میں بے مقصد کھڑا تھا ۱۲ بجے ۱۰ اسر کو عورتوں کو علیحدہ کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا۔

اور سپاہیوں کے ایک دستے نے بنا کسی استثنا کے تمام عورتوں کو ڈنڈوں اور بیدوں سے مارنا
شروع کر دیا ظلم اس حد تک بڑھ گیا کہ جن عورتوں کی گودوں میں معصوم دودھ پیتے بچے تھے ان کو بھی
ہمدردی کا مستحق نہیں سمجھا گیا یہ سلسلہ تقریباً آدھ گھنٹہ تک چلتا رہا بالآخر ان عورتوں سے
کہلوا لیا گیا کہ وہ اب نہ کسی قسم کا شور و ہنگامہ مچائیں گی اور نہ ہی نوحہ و ماتم کریں گی۔

تھوڑی دیر کے بعد غیر ملکی، غیر صومالی اور پرائمری اور سکنڈری اسکولوں کے صومالی بچوں
کو رہا کر دیا گیا۔ اور دیگر صومالی افراد باشندوں، سرکاری ملازمین، تاجروں، پرائیویٹ عہدیداران
کو ایک مدرسے کے چھوٹے سے میدان میں منتقل ہو جانے کا حکم دیا گیا۔ دھوپ شدید تھی اور گرمی اپنے
شباب پر تھی اس کے باوجود ڈیڑھ بجے یہ حکم دیا گیا کہ تمام لوگ ایک قطار میں اور آپس میں مل کر
کھڑے ہو جائیں اور شناختی کارڈ لیکر ہاتھ اوپر اٹھائیں۔ تمام لوگوں نے اس حکم کی تعمیل بڑی
خوشی کے ساتھ کی اور سوچا کہ شاید ابتلاء و آزمائش کا یہ آخری مرحلہ ہے جس کے بعد مصائب
و آلام سے نجات مل جائے گی۔ لیکن یہ ایک خیال خام اور امید بے جا تھی۔ کیونکہ دو بجے سب
کو سورج کی طرف رخ کر کے زمین پر اکڑوں بیٹھنے کے لئے کہا گیا آفتاب کی تمازت اور گرمی
کی شدت نے حلقوم خشک کر دیے تھے سب لوگ بھوک اور پیاس سے بے تاب تھے۔ اور رہا
کرنے کی التجائیں کیں لیکن سفاک اور بے رحم سپاہیوں نے کوئی توجہ نہیں دی اور جب تمام
لوگ بیٹھ گئے اس وقت تک ورد کرتے رہے۔ بیٹھنے کے بعد بھی ورزش کی لیکن پتھر
کی طرح سخت رہے۔ اسی حالت میں شام ہو گئی اور ۸ بجکر ۲۰ منٹ پر سونے کی اجازت
ملی۔ لیکن ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی گئی کہ اگر کوئی شخص پھر کے بل کھڑا ہوگا تو بندوق کی گولی
سے اڑا دیا جائے گا۔ ۸ گھنٹے کے مسلسل انسانیت سوز مظالم نے کسی کو نیند نہیں آئی اور رات
اسی اضطراب و بے چینی میں گزر گئی کہ صبح ہو گئی تھی خورشید بڑی آب و تاب کے ساتھ نکل
رہا تھا۔ گزشتہ روز کی طرح ۱۱ نومبر کو بھی قطار بندی کی گئی۔ ۱۰ بجے آفیسر کمانڈنگ پولیس
ڈویژن آیا اس نے قبیلے کے اعتبار سے مختلف گروہوں میں بٹ جانے کا حکم دیا۔ جب تمام
افراد مختلف قبیلوں میں منقسم ہو گئے تو گورنمنٹ ملازمین کو ہر گروپ میں سے چھانٹا گیا
ان کی مکمل تلاشی لی گئی اور مختلف قسم کے سوالات کئے گئے جب تمام افسران کو اس بات پر

کامل یقین ہو گیا کہ یہ لوگ سرکاری ملازم ہیں تب ان کو رہا کیا گیا۔

ابھی کچھ ہی لمحے گزرے تھے کہ مختلف قبیلوں کے سربراہوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے ماتحتوں
کو لیکر چلے جائیں چنانچہ جب جنرل مسٹر آرگن گرفتار شدگان کے سربراہ نے اپنے کارکنوں کی واپسی کا
مطالبہ کیا تو ان کو دوسرے روز آنے کے لئے کہا گیا یہ سنتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور
قائم مقام ضلع کمشنر، ضلع افسر اور پولیس کمانڈر اپنے کامیاب مہم کی اطلاع دینے اور نیروبی
سے تازہ احکامات حاصل کرنے چلے گئے تقریباً ۹ بجکر ۴۰ منٹ پر قائم مقام ضلع کمشنر واپس آ گئے
اور جن کی حالت جنگی قیدیوں سے زیادہ ابتر تھی ان کو اپنے روبرو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ یہ ایک ایسا
ہولناک منظر تھا جس کا تصور کرتے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۲۲ گھنٹے گزر چکے
تھے لیکن ان لوگوں کو ایک قطرہ پانی میسر آیا اور نہ کھانا ہی۔ کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے وہ
حرکت کرنے کے قابل نہ تھے پھر بھی ان کو زبردستی کھینچ کھینچ کر میدان حشر میں سے جایا گیا۔

اس کے بعد ضلع کمشنر نے ایک تقریر کی جو صومالیوں کے خلاف غیظ و غضب پر
مشتمل تھی اس نے الزام لگایا کہ تم ہی لوگوں نے سرحدی ملازمین کو قتل کر دیا تھا انھوں کی ہمت
افزائی کرتے ہو اور ان کو اپنے در ان مخبروں نے جو سرکاری ملازمین کے گھروں اور بازاروں میں
دھمکی آمیز پمفلٹ پھینک کر اپنے دام فریب میں لاتے ہو اب میں تم لوگوں کو اس طرح پریشان کروں گا
ہوں کہ دوبارہ یہاں جمع ہو گئے۔ اور ان بدمعاشوں اور غنڈوں کو میرے سپرد کرو گے
جنھوں نے وداب پر ضلع افسر اور دوسرے حکومت کے ہرکارہ لوگوں کو گزشتہ رات قتل کیا
ہے اس میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ تم ہی لوگ ان مجرموں کو اپنے
گھروں میں پناہ دیتے ہو اور ان کے کاموں میں مدد کرتے ہو۔

جیسے ہی ضلع افسر نے اپنی پر جوش تقریر ختم کی وہ عورتیں جو باہر کھڑی اپنے مظلوم
شوہروں کا انتظار کر رہی تھیں اور اسی مظلومیت پر رو رہی تھیں ان بیچاروں کے لئے پانی اور شربت کی بوتلیں
لے کر ان کو سنبھالنے کے لئے دوڑ پڑیں۔

ہدایت کے مطابق سربراہ وغیرہ لوگ واپس آئے لیکن انہیں دوسرے دن صبح کو آنے کے
لئے کہا گیا۔ ۱۲ نومبر کی صبح کو تمام لوگ جمع ہوئے اور صومالی قبیلہ سے تعلق رکھنے والے تمام افراد

[illegible]

کی وہ ایسے حالات [illegible] اور ان سے کہا کہ ان صوبوں کا اپنی طرح جانتی ہو [illegible]
نے ضلعی افسر اور سرکاری ملازموں کو قتل کیا ہے وہ اصل وہ ایک انگریزی [illegible] کی بیوی [illegible]
[illegible] کو کھانا [illegible] کرتی ہے [illegible] اس عورت کو
[illegible] کہا کہ سرکاری ملازموں [illegible] کے ذمہ دار حریت
پسند [illegible] بلکہ ایک خفیہ گروہ ہے جو [illegible] حکومت کے تحت پلنے اور افراتفری پھیلانے کی
کوشش کر رہا تھا اور اسی نے انہوں نے مختلف جگہوں پر دھمکی آمیز پمفلٹ تقسیم کئے ان کا [illegible]
کی [illegible] اور جدوجہد [illegible] حکومت کے صوبائیوں کا اعتماد اور [illegible]
کا [illegible] کے اوپر سے ختم ہو جائے اور سابق [illegible] پارٹی کو بے حد [illegible]
۱۲ اور نومبر [illegible] کو [illegible] سرکاری ملازمین کے ساتھ [illegible] کے مطابق [illegible]
کرنے کے لئے [illegible] کی حکومت اور اس کے [illegible] اور اعتماد [illegible]
[illegible] کوئی [illegible] سے [illegible]
نہیں [illegible] کیا جائے تاکہ [illegible] کیا جا سکے۔

۱۳ نومبر کو [illegible] چند [illegible] سے آئے اور ان مقامات کا مشاہدہ کرنے کے
لئے [illegible] گاڑی [illegible] وہاں پر [illegible] کے دفتر میں [illegible]
[illegible] K.A. [illegible] A.B. [illegible] اسسٹنٹ وزیر [illegible] اور [illegible]
میں [illegible] (Kamu Bramah) کے ایک چیئرمین موجود تھے۔

مسٹر [illegible] (Kamuke [illegible]) [illegible] کے وزیر ہیں ان کا دل موم کی طرح
پگھل گیا جب انہوں نے [illegible] سے بے شمار گھروں کو جلتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے
[illegible] کرتے ہوئے کہا کہ [illegible] اس وجہ سے ہوا کہ حفاظتی فورس کے [illegible]
[illegible] کو چھپا کر رکھے تھے [illegible] ہتھیار [illegible] سے [illegible] وزیر کو غلط اطلاع
دی گئی [illegible] کوئی ہتھیار [illegible] انہوں نے کہا کہ عوام کو [illegible]
کے حکومت کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے انہوں نے کہا کہ [illegible] کی پولیس [illegible]

سے [illegible] اور امید ظاہر کی ہے کہ وہ جلد ہی ان کا بیان سے قائم کرے گی۔

جزیرے [illegible] شمالی مشرقی صوبہ کے عوام اپنے آپ کو کینیا کا [illegible] اور محب وطن
شمار کرتے ہیں لیکن موصوف کا تقریر ان کے خلاف نفرت اور شکوک اور شبہات سے بھری ہوئی
تھی ان [illegible] کے ذمہ دار ہیں ان کے [illegible]
تک ان لوگوں کے بارے میں [illegible] تھے جو [illegible] کرنے پر تلے ہوئے ہیں اس وقت
تک تمام لوگوں کو دردناک انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اس موقع پر کچھ دوسری اہم شخصیات اور وزراء نے تقریریں اور اہم [illegible]
ان کو نظر انداز کر دیا گیا اور اخبارات میں شائع نہیں کیا گیا۔

نومبر کا مہینہ شمالی مشرقی صوبہ کے عوام کے لئے نہایت خطرناک تھا سیکورٹی فورس والوں
کے اوپر جو وحشیانہ مظالم ڈھائے ہیں وہ ناقابل بیان ہیں۔

(۱) صومالی عورتوں کی عصمت دری کی گئی [illegible] ایک
ہزار افراد کو بے گناہ قتل کر دیا گیا۔ (۲) [illegible] کو نذر آتش کر دیا گیا [illegible]
شامل ہیں۔ (۳) کئی ہزار صومالیوں کو گرفتار کیا گیا۔
(۴) سینکڑوں مویشی ہلاک کر دیے گئے اور ان کے [illegible] پر [illegible] قبضہ کر لیا گیا۔
(۵) تمام سرکاری اور غیر سرکاری گاڑیوں میں صومالی باشندوں کے سفر کرنے پر [illegible]
پابندی لگا دی گئی۔

اس ظلم و ستم اور [illegible] کا مقصد صرف یہ ہے کہ تمام صومالی آبادی کو تمام [illegible]
[illegible] میں منتقل کیا جائے تاکہ وہاں [illegible] قتل کیا جا سکے۔

آج جبکہ بہت سے صومالی مجبور ہیں ان کے اوپر مصائب کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں [illegible]
کی عصمت دری کی جا رہی ہے [illegible] ظالم حکومت [illegible] سے [illegible]
ان کی نظر میں تمام اسلامی [illegible] وہ [illegible] کے مستحق ہیں۔ [illegible] کب تک بے بسی اور غلامی کی زندگی بسر
کرتے رہیں گے [illegible] کہ اس ظالم حکومت کے خلاف [illegible] جہاد کریں گے اور [illegible] آباد کریں
جس میں امن و سکون قائم ہو۔

([illegible])

شفق ہاوی

کانٹے کو پھول، سنگ کو گوہر کہا گیا
ذرے کو آفتاب کا ہمسر کہا گیا

سنگِ طلب جو لوٹا میں دانشوروں کے شہر سے
بے حس کہا گیا مجھے پتھر کہا گیا

دریا بہا دیئے گئے لطف و بیان کے
کم ظرف و کم نظر کو سمندر کہا گیا

اے مادرِ وطن ترے مقتل گواہ ہیں
بے ضمیر شخص کو رہبر کہا گیا

تحریر خانہ ساز فرشتوں نے لکھی
ہر ایک محبِ حریت کو کافر کہا گیا

تزئین دیدنی تھی جشنِ رہزناں
جب محسنوں کو راہ کا پتھر کہا گیا

چلنے کو کوئی حرف تو ملا نہیں مجھے
میرے قلم کی نوک کو خنجر کہا گیا

یہ حادثہ چمن میں ہوا بارہا شفق
قحطِ خزاں بہار کا منظر کہا گیا

کوئی رفیق نہ یاور دکھائی دیتا ہے
عجب ستم کا منظر دکھائی دیتا ہے

کہاں چھپاؤ گے درد و زخم دل لوگو!
کہ اب تو شیشہ بھی پتھر دکھائی دیتا ہے

یہ اب خفتہ نصیبوں کو کیا نہیں معلوم
عروجِ وقت سکندر دکھائی دیتا ہے

ہمارے دور کا ساقی بھی خوب ہے جس کو
ہر ایک رند گداگر دکھائی دیتا ہے

منافقین سروں کی یہ خدا جانے خرد
جنوں کے ہاتھ میں پتھر دکھائی دیتا ہے

عجیب دور ہے جس پر بھی اعتماد کرو
اسی کے ہاتھ میں خنجر دکھائی دیتا ہے

خالد شمسی

CENTRAL LIBRARY
JAMEATUL FALAH
Bilariyaganj - Azamgarh